عبدالوہاب خاں سلیم

(پیکرِ جود و عطا)

تالیف

سید جمیل احمد رضوی

عبدالوہاب خاں سلیم
(پیکرِ جود و عطا)

تالیف

سید جمیل احمد رضوی

ادارہ فروغِ مطالعہ، لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر۲

عنوان کتاب: عبدالوہاب خاں سلیم (پیکرِ جودوعطا)

مؤلف: سید جمیل احمد رضوی

سابق چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

ناشر: ادارہ فروغِ مطالعہ

اہتمام: محمد نعیم، محمد ہارون عثمانی

مطبع: ظفر سنز پرنٹرز، ۵۵بی، شمع پلازہ، لاہور

کمپوزنگ وسرورق: ساجد محمود (۰۳۲۱-۴۳۱۰۴۸۶)

سال اشاعت: ۲۰۱۳ء

صفحات: ۲۵۰

برائے رابطہ:

ادارہ فروغِ مطالعہ

۸۳۵۔بلاک جے۔ٹو۔محمد علی جوہر ٹاؤن، لاہور، پاکستان

Email: haroonusmani@gmail.com

انتساب

محترمہ خورشید سلیم (اہلیہ عبدالوہاب خاں سلیم) کے نام

جن کو اپنے شوہرِ نامدار کے ساتھ

متعدد بار حج وعمرہ کی سعادت نصیب ہوئی

فہرست مندرجات

عنوانات		صفحہ
پیش لفظ		۷
باب اول	: خاندانی حالات و تعلیم	۱۱
باب دوم	: پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا سفرِ ملازمت	۱۷
باب سوم	: حرمین شریفین کے سفرناموں کی جمع آوری	۴۷
باب چہارم	: کتابوں کے انتسابات	۸۹
باب پنجم	: دانشوروں کی آراء	۱۰۵
باب ششم	: چند مطبوعہ خطوط اور ایک مضمون	۱۵۹
حواشی		۱۷۹
ضمیمے		۲۰۹
ضمیمہ نمبر ۱	: خاں صاحب (عبدالوہاب خاں سلیم) کے چار خطوط بنام مؤلف کے عکس	۲۱۱
ضمیمہ نمبر ۲	: ''گوشۂ عبدالوہاب خاں سلیم'' کے متعلق تین خطوط اور ایک اقتباس کا عکس	۲۱۷

☆☆☆

پیش لفظ

یہ کتاب عبدالوہاب خاں سلیم (مقیم نیویارک،امریکہ) کی شخصیت کے متعلق ہے۔میری ان سے پہلی ملاقات اوائلِ ستمبر۱۹۶۲ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہوئی تھی۔۱۹۶۳ء میں مَیں نے بھی اسی لائبریری میں سروس اختیار کرلی۔اس طرح ایک ہی ادارے میں کام کرنے کی وجہ سے ان کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔اس وقت وہ عالمِ شباب میں تھے۔ان کا حلقۂ تعارف بہت وسیع تھا۔لائبریری کے کاؤنٹر پر ان کی ڈیوٹی تھی۔ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔لائبریری میں اپنے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے۔اس کے علاوہ ان میں اور بھی خوبیاں موجود تھیں۔وہ اس وقت بھی دوسروں کے کام آتے تھے۔اگر کسی سٹاف ممبر کا لائبریری سے باہر کوئی کام ہوتا،تو اس کے ساتھ چلے جاتے اور امکانی حد تک اس کام کو کروانے کی کوشش بھی کرتے۔وہ بے لوث خدمت کے قائل تھے۔

آدمیت احترامِ آدمی

باخبر شو از مقامِ آدمی

حالات کی سنگینی نے انہیں امریکہ کے لیے رختِ سفر باندھنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ وہ ۱۹۷۳ء میں روزگار کی تلاش میں وہاں چلے گئے۔بعد میں بچوں کو بھی وہاں بلالیا۔ان کے سب بچوں نے امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔خاں صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔اس کی تفصیل آئندہ صفحات

میں ملے گی۔

اس ہجرت نے ان کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔اس پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہیں۔اس کے باوصف انہوں نے اپنی زمین سے رشتہ نہیں توڑا۔وہ جوانی اور اس کی یادیں یہاں چھوڑ گئے۔ان کی شخصیت تقسیم ہوگئی۔اس کا اظہار وہ فون پر کرتے رہتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ یاد ماضی ان کا قیمتی سرمایۂ حیات ہے۔اپنے پرانے احباب سے رابطہ رکھتے ہیں۔پہلے تیز رفتاری سے ان کو خطوط لکھا کرتے تھے،اب فون کرتے ہیں دوستوں اور رفقائے کار کے متعلق پوچھتے رہتے ہیں۔ان کی خیروعافیت دریافت کرتے رہتے ہیں۔

پاک وہند کے معروف ادیبوں کے ساتھ ان کے گہرے مراسم ہیں۔ان میں سے بعض مرحوم ہو چکے ہیں۔ادب پروری ان کے مزاج میں شامل ہے۔ادیبوں کو تحائف بھی بھیجتے ہیں۔اگر مالی کمی کی وجہ سے کسی ادیب کو کوئی کتاب چھپوانے میں مشکل پیش آرہی ہو،تو اس کی مالی مدد بھی کرتے ہیں تاکہ کتاب چھپ جائے۔مطبوعہ کتب کے متعدد نسخے خریدتے ہیں اوران کو احباب کی خدمت میں بھجوانے کا اہتمام کرتے ہیں۔علاوہ ازیں اپنے پرانے زیردست رفقائے کار اور دوسرے ضرورت مندوں کی اعانت بھی درپردہ کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں۔ان کی شخصیت کی یہ وہ خوبیاں ہیں جن کا برملا اظہار امریکہ جانے کے بعد ہوا۔اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر موجود ہے۔

وہ لائبریرین رہے ہیں۔کتاب کے ساتھ شروع ہی سے محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے حرمین شریفین کے سفرناموں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔وہ سال ۲۰۱۲ء

میں چوبیسویں بار حرمین شریفین میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ اس سال (۲۰۱۳ء) بھی عمرہ کے لیے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

وہ پاکستان سے محبت کرتے ہیں اور اہلِ علم پاکستانیوں سے مودت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ اس کی مثالیں بھی اس کتاب میں ملیں گی۔ ان کو علی گڑھ سے بھی بہت پیار ہے۔ وہاں کے اہلِ علم دوستوں سے بھی برابر رابطہ رکھتے ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا باب تاثراتی انداز کا ہے۔ راقم السطور کے نام ان کے خطوط کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان کے نام کتابوں کے انتسابات بھی شامل کر دیے ہیں اور ان کی شخصیت کے متعلق دانشوروں کی آراء بھی اس کا حصہ ہیں۔ حواشی میں ان کے لائبریری کے چند مذکور رفقائے کار کے بارے میں مختصر معلومات دے دی ہیں۔ ان کے علاوہ حواشی میں پروفیسر محمد اسلم مرحوم (م۔ ۱۹۹۸ء) کے متعلق بھی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ راقم السطور کی مرحومہ بیٹی (راشدہ زہراء) کی وفات پر خاں صاحب نے دو خطوط میں مرحومہ کے بارے میں لکھا تھا۔ حواشی میں اس سلسلے میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ خاں صاحب کے مرحوم بھائی پروفیسر عبدالحنان خاں اور عبدالدیان خاں مرحوم کے متعلق بھی دو مختصر نوٹ اس حصے میں شامل ہیں۔ دیگر معروف شخصیات کے بارے میں بھی معلومات فراہم کر دی ہیں۔

یہاں پر اس امر کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے خاں صاحب کے بارے میں چند سال پہلے ایک مفصل مقالہ لکھا تھا۔ اس کی نقل وہاب صاحب کو بھیجی تھی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ یہ تو کتاب کا موضوع ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے بہت سا مواد روک لیا تھا۔ راقم السطور نے اس سے اتفاق کیا کہ اگر اس مقالے کو پھیلا دیا

جائے تو ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔میں نے ان کی ترغیب سے کام جاری رکھا۔اس کے نتیجے میں دسمبر ۲۰۱۱ء میں اس کتاب کا ابتدائی مسودہ تیار ہوگیا۔خاں صاحب نے مشورہ دیا کہ ابھی چند کتابیں زیرِ طبع ہیں، ان کا انتظار کرلیا جائے۔چنانچہ ایک سال تک انتظار کیا گیا۔قریباً سات نئی کتابیں چھپ گئیں اور مجھے وصول ہوگئیں۔ان سے بھی استفادہ کیا گیا۔یوں یہ مسودہ دسمبر ۲۰۱۲ء میں مکمل ہوگیا۔

میں خاں صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے بعض معلومات فراہم کیں اور کتابیں بھجوائیں۔انہوں نے چند خطوط کی عکسی نقول بھی فراہم کیں۔اس طرح زیرِ حوالہ کتاب وہاب صاحب کی ترغیب اور تشویق سے مکمل ہوئی۔اُس کو شائع کرنے کی ذمہ داری بھی خاں صاحب نے اٹھائی۔ان سب امور کی انجام دہی کے لیے میں ان کا سپاس گزار ہوں۔اللہ تعالیٰ ان کو خوش وخرم اور صحت وسلامتی سے رکھے اور ان کے اہلِ خانہ کو بھی خیر وعافیت سے رکھے۔

میں جناب محمد ہارون عثمانی کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے مفید مشورے دیے۔انہوں نے بطورِ خاص کتاب کے طباعتی انتظام میں دستِ تعاون بڑھایا۔خداوند عالم ان کو بھی جزائے خیر دے۔ساجد محمود صاحب کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت محنت کے ساتھ کتاب کی کمپوزنگ کی۔ان کی استعدادِ کار بھی قابلِ ستائش ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔الحمد للہ علی احسانہ۔

۲۵ فروری ۲۰۱۳ء / ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

سید جمیل احمد رضوی

نیو شالیمار ٹاؤن، لاہور۔

باب اوّل:

خاندانی حالات و تعلیم

عبدالوہاب خاں سلیم ۶ فروری ۱۹۳۹ء کو دریاباد، ضلع بارہ نکی (یوپی، انڈیا) میں عبدالرحمٰن خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کو اللہ تعالیٰ نے کثیر اولاد سے نوازا تھا۔ ان کے ہاں چھ بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام علی الترتیب یہ ہیں: عبدالجبار خاں (م ۷ دسمبر ۲۰۱۲ء)، عبدالمنان خاں، عبدالوہاب خاں، عبدالحنان خاں (م ۲۲ نومبر ۲۰۰۸ء)، عبدالدیان خاں (م ۲ اپریل ۲۰۱۱ء) اور عبدالستار خاں۔

خاں صاحب نے مجھے ۲۵ ستمبر ۲۰۱۰ء بروز ہفتہ کو فون کیا اور کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ میں نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے ان سے خاندانی پس منظر کے متعلق سوالات کیے جن کے انہوں نے جوابات دیے۔ اپنے سوال اور ان کے جواب کو ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

رضوی: آپ کب انڈیا سے ہجرت کر کے پاکستان میں آئے؟

خاں صاحب: ۱۹۵۱ء میں (پاکستان بننے کے چار سال بعد)

رضوی: پاکستان آ کر کہاں آباد ہوئے؟

خاں صاحب: سیالکوٹ میں۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ جسٹس انوار الحق نے ہمارے والد صاحب کو سیالکوٹ میں محکمہ مال میں سروس دلا دی تھی۔ والد مرحوم نے ان کے ساتھ انڈیا میں بھی کام کیا ہوا تھا۔

رضوی: جب آپ انڈیا سے آئے تو کس کلاس میں پڑھتے تھے؟

خاں صاحب: چھٹی کلاس میں، چھٹی کلاس میں انگریزی کی تعلیم بھی شروع ہو جاتی تھی۔

رضوی: ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی؟

خاں صاحب: سیالکوٹ میں چھٹی کلاس میں داخل ہوا۔مرے کالج، سیالکوٹ سے بی۔اے کیا۔محمد اکرام چغتائی صاحب میرے بھائی عبدالحنان (مرحوم) کے اسی کالج میں کلاس فیلو تھے۔

رضوی: لائبریری سائنس کی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

خاں صاحب: پھر لاہور آ کر ۱۹۵۹ء میں ڈپلوما اِن لائبریری سائنس کی کلاس میں جامعہ پنجاب میں داخلہ لیا۔۱۹۶۰ء میں ڈپلوما کر لیا۔اسی سال مجھے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں سروس مل گئی۔۱۹۷۰ء میں ایم۔اے (لائبریری سائنس) کرنے کے لیے کراچی چلا گیا۔۱۹۷۱ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے کرنے کے بعد واپس لاہور آ گیا۔کراچی یونیورسٹی میں ایم۔اے کی کلاس میں میری تیسری پوزیشن تھی۔واپسی پر میں نے پنجاب یونیورسٹی کی سروس کو جاری رکھا۔جب کراچی سے واپس آیا تو کچھ ماہ ڈپلوما کلاس کو ایک مضمون بھی پڑھایا۔یونیورسٹی میں میرے ساتھ سروس کے حوالے سے اچھا سلوک نہیں کیا گیا تھا۔لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ میں حالات سے تنگ آ کر امریکہ آ گیا اور اس طرح میرے سارے بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور بہت اچھے مناصب پر کام کر رہے ہیں۔

رضوی: آپ کتنے بھائی بہن ہیں؟

خاں صاحب: ہم چھ بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ان میں سے ایک بہن راولپنڈی میں ہوتی ہیں اور دوسری کراچی میں۔ان (دوسری) کا انتقال ہو چکا ہے۔بھائی

بھی بجز ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ایک اسکول ٹیچر رہے ہیں۔انھوں نے کئی ایم۔اے کیے ہوئے ہیں۔ایک ایم۔اے (سوشل ورک) ہیں۔ کراچی میں ہوتے ہیں۔عبدالحنان صاحب نے ایم۔اے (انگریزی) کیا تھا اور وہ اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور سے استاد کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تھے۔سال ۲۰۰۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔عبدالدیان زیادہ پڑھے نہیں۔ان کو میں نے امریکہ بلالیا تھا۔ان کے بچے پاکستان میں ہیں۔خود یہاں کام کرتے ہیں۔سب سے چھوٹے بھائی عبدالستار ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔لاہور ہی میں سروس کرتے ہیں۔

رضوی: میں نے کہا کہ محمد ہارون عثمانی صاحب پنجاب یونیوسٹی لائبریری میں ڈپٹی چیف لائبریرین کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔وہ کہا کرتے ہیں کہ عبدالدیان صاحب رشتے میں میرے خالو ہوتے ہیں۔

خاں صاحب: ہاں میں سمجھ گیا۔یہ صاحب پہلے قائداعظم لائبریری میں کام کرتے تھے۔

رضوی: میں نے بتایا کہ وہاں سے وہ فیصل آباد (جی۔سی۔یونیورسٹی) میں چلے گئے تھے۔چندسال وہاں رہے۔اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں کام کرتے ہیں۔

خاں صاحب: کہنے لگے اب آپ بھی تھک گئے ہوں گے۔میں بھی تھک گیا ہوں۔ کچھ دیر لیٹوں گا۔پھر بات ہوگی (ان شاءاللہ)

رضوی: میں نے بچوں کی شادی کے متعلق سوال کیا۔

خاں صاحب: انہوں نے بتایا کہ تین بیٹیوں کی شادی ہوگئی ہے۔ان کے شوہر امریکہ ہی میں اعلیٰ عہدوں پر کام کرتے ہیں۔ بیٹے شکیل سلیم سلمہ، کی شادی بھی جلد ہوجائے گی۔ان کی منگیتر ڈاکٹر ہیں۔اس کے بعد فون بند ہوگیا۔ درحقیقت ہم دونوں ہی تھک چکے تھے۔اس طرح میں نے خاں صاحب کے خاندانی پس منظراوران کی تعلیم کے متعلق کافی معلومات حاصل کیں۔

بعد میں ایک روزفون پر خاں صاحب نے بتایا کہ عزیز شکیل سلیم سلمہ، کی شادی کی تاریخ طے پاگئی ہے۔۳ جون ۲۰۱۱ءکوعزیز کا نکاح ڈاکٹر رابعہ سے ہوگا۔ ۴ جون کو بحری جہاز ۴ گھنٹے تک سمندر میں گھومے گا۔ نیویارک ایک جزیرہ ہے۔ جہاز میں شادی کے حوالے سے ایک تقریب منعقد ہوگی۔۴ جون کے بعد دولہا اور دلہن ہنی مون کے لیے اریزونا چلے جائیں گے۔

۲۰ جون ۲۰۱۱ءکو خاں صاحب نے فون پر کافی دیر تک باتیں کیں۔پوچھنے لگے کیا آپ کوعزیز شکیل سلیم سلمہ، کے ولیمہ کا دعوت نامہ مل گیا ہے۔میں نے کہا ابھی تک نہیں ملا۔ کہنے لگے لاہور میں دیگر احباب کوتو مل گیا ہے (چندروز کے بعد مجھے یہ کارڈ مل گیا تھا)۔خاں صاحب نے بتایا کہ ۱۸ جون کو دعوت ولیمہ منعقد کی گئی۔ نیویارک میں مقیم پاکستان اور ہندوستان کے احباب نے کافی تعداد میں شرکت کی۔ ناظر حسن زیدی (مرحوم) کے بیٹے بھی شریک ہوئے۔چند دیگر لوگوں کے بھی نام لیے۔انہوں نے یہ بھی بتایا کہ دونوں ڈاکٹر ہیں۔عزیز سلیم ہڈیوں کے ڈاکٹر ہیں۔اور ان کی اہلیہ مرض کینسر کی ڈاکٹر ہیں۔دونوں ایک ادارے میں اکٹھے کام کرتے ہیں۔ ان کی بیگم یورپین ہیں ۔مسلمان ہوگئی ہیں اور ان کا نام رابعہ رکھا گیا ہے

(Dr.Rabia stephanie Deutsch)۔وہاب صاحب کو میں نے بیٹے کی شادی پر مبارک باد کہا۔انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں کہ یہ تقریب بخیر وخوبی انجام پذیر ہوئی۔بہت خوش تھے۔واقعتاً اس تقریب نے خوشی کا موقع فراہم کیا۔

☆☆☆

باب دوم:

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا سفرِ ملازمت

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

ماضی کے آئینے میں جھانک کر میں اس دیرینہ رفیق کار سے قلمی ملاقات کرنے جا رہا ہوں جن سے میری پہلی ملاقات اوائل ستمبر ۱۹۶۲ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں ہوئی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے گورنمنٹ کالج، فیصل آباد (حال جی۔سی۔ یونیورسٹی، فیصل آباد) سے ۱۹۶۱ء میں بی اے (آنرز) کا امتحان پاس کیا۔ چند ماہ ایم۔بی۔ ہائی اسکول، تاندلیانوالہ، ضلع فیصل آباد، میں پڑھایا۔ ۱۹۶۲ء میں شعبہ لائبریری سائنس، جامعہ پنجاب، لاہور میں ڈپلوما اِن لائبریری سائنس میں داخلے کے لیے درخواست دی۔ اُنہی دنوں ایک کام کے سلسلے میں لاہور آیا۔ اس کلاس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے لائبریری میں آیا۔ جب میں نے لائبریری کا جھالی والا صدر دروازہ کھولا تو سامنے کاؤنٹر پر سٹاف کے دو ارکان بیٹھے تھے۔ ایک سے میں نے مذکورہ معلومات کے لیے سوال کیا تو دوسرے صاحب جلدی سے گویا ہوئے: ''مجھ سے پوچھیں میں انٹرنیشنل ہوں''۔ میں نے ان کی طرف غور سے دیکھا، وہ صاحب چشمہ لگائے ہوئے پینٹ اور شرٹ میں ملبوس تھے، کھلی پیشانی، کتابی چہرہ، موٹی آنکھیں اور سفید رنگ کے حامل تھے۔ میں نے اپنا سوال دہرایا۔ بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ وہ سامنے دیکھیں، ایک صاحب وارث نامی بیٹھے ہیں۔ وہ بھی فیصل آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان سے ملیں، وہ آپ کو مطلوبہ معلومات فراہم کریں گے۔ میں وارث صاحب، جو کہ اس وقت ڈائرسٹ (Diarist) تھے، سے ملا اور اپنا تعارف کرواتے ہوئے استفسار کیا۔

انہوں نے ریکارڈ دیکھ کر کہا کہ آپ کو انٹرویو کے لیے کال فیصل آباد کے پتے پر ارسال کر دی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا کہ داخلے کے لیے انٹرویو کل ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا لیٹر کے بغیر انٹرویو دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ایک کیبن (Cabin) کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں جی۔ آر شاہ صاحب (غلام رسول شاہ صاحب، م ۱۹۷۴ء) بیٹھے ہیں۔ اس سلسلے میں ان سے پوچھیں۔ چنانچہ میں ان کے دفتر میں گیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کل انٹرویو کے لیے آجائیں۔ اگر ریکارڈ کے مطابق آپ کو کال گئی ہے، تو اس کا ساتھ لانا ضروری نہیں۔ چنانچہ میں اگلے روز انٹرویو دینے والوں میں شامل ہو گیا۔ انٹرویو ہوا، غالباً اگلے روز نوٹس بورڈ پر داخل ہونے والے امیدواروں کی فہرست لگا دی گئی۔ اس میں راقم السطور کا نام بھی شامل تھا۔

اس طرح کلاس میں داخلہ ہو گیا۔ یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لائبریری سائنس کا شعبہ الگ عمارت میں نہیں تھا، بلکہ لائبریری کا ہی ایک حصہ تھا۔ اُس کے چیئرمین یونیورسٹی لائبریرین ہی ہوتے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں امتحان ہوا۔ راقم السطور نے امتیازی حیثیت سے امتحان پاس کر لیا۔ چند ماہ بعد اسی لائبریری میں سروس بھی مل گئی۔ میں نے ۲۳ جولائی ۱۹۶۳ء میں لائبریری میں سروس اختیار کی۔ اس طرح ان صاحب کا رفیق کار بننے کا خوش گوار اتفاق ہو گیا جنہوں نے کہا تھا کہ: ''مجھ سے پوچھیں، میں انٹرنیشنل ہوں''۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صاحب عبدالوہاب خاں سلیم ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ وہ کاؤنٹر پر فرائض سرانجام دیتے تھے یعنی کاؤنٹر اسسٹنٹ تھے۔ لائبریری میں جو بھی آتا اس کی پہلی ملاقات کاؤنٹر سٹاف سے ہوتی تھی۔ اس بنا پر خاں صاحب کا حلقۂ تعارف بہت وسیع تھا۔ اس میں یونیورسٹی کے

اساتذہ، طلبہ اور محققین شامل تھے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ ان کے حسنِ سلوک کی وجہ سے لائبریری استعمال کرنے والے ان کے نام سے جلد واقف ہو جاتے۔ بعض لوگ تو ان کو ہی لائبریرین (موجودہ چیف لائبریرین) سمجھتے تھے۔

چند ماہ کی سروس کے بعد میری ڈیوٹی لائبریری کے اورینٹل سیکشن میں لگا دی گئی۔ بعد میں اس سیکشن کی ترتیب و تنظیم میں اس طرح تبدیلی کی گئی کہ اُردو ذخیرۂ کتب کو بھی لائبریری کی اصل عمارت کے اندر عربی و فارسی ذخیرۂ کتب کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ اب خاں صاحب کی ڈیوٹی بھی اسی شعبے میں لگا دی گئی۔ اس طرح ایک شعبے میں ہونے کی وجہ ان سے زیادہ قریب ہونے کا موقع ملا۔ لائبریری کا عملہ دو شفٹوں میں کام کرتا تھا۔ صبح کی شفٹ اور شام کی شفٹ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ہم دونوں (راقم السطور اور خاں صاحب) ایک ہی شفٹ میں فرائض سرانجام دیتے۔

اس زمانے میں مَیں نے محسوس کیا کہ وہاب صاحب کے تعلقات لکھنے والے اساتذہ، صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں کے ساتھ بہت اچھے ہیں۔ ایسے دانشور حضرات ان کو ملنے کے لیے اکثر لائبریری میں آتے تھے۔ ان میں سے بعض اپنی تالیفات بطور ھدیہ ان کو ذاتی استعمال کے لیے بھی دیتے تھے۔ اس تنگدستی کے دور میں ان کا دست جودوسخا کھلا رہتا تھا۔ یعنی ایسی کتب میں سے وہ دوسروں کو بھی عنایت کر دیتے تھے جن کی اس موضوع سے دلچسپی ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صوفی (م۔۱۹۸۹ء) سابق صدر شعبۂ عربی، گورنمنٹ کالج، لاہور (موجودہ جی۔سی۔ یونیورسٹی، لاہور) نے اپنی اوائل عمر میں ایک کتابچہ ''پردہ'' کے موضوع پر لکھا تھا۔ صوفی صاحب مرحوم نے اس کا ایک نسخہ وہاب صاحب کو دیا۔ انہوں نے یہ کتابچہ مجھے

ھد یہ کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ آپ کی دلچسپی کا ہے۔اسی طرح حدیث کی ایک اور کتاب بعنوان: ''عام فہم تشریح بخاری'' از خواجہ حسن نظامی، مطبوعہ دہلی کے پہلے آٹھ پارے مجھے عنایت کیے۔اس قدیم اور بوسیدہ کتاب کی میں نے جلد کروائی تا کہ یہ محفوظ ہو جائے اور اس سے استفادہ بھی آسانی سے ہو سکے۔یہ کتاب خاں صاحب کو کہیں سے دستیاب ہوئی تھی۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب آمدنی کے ذرائع محدود تھے۔معاشی تنگدستی کا زمانہ تھا۔ان حالات میں ان کے اندر کا انسان جود و عطا کی صفات سے مالا مال تھا۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسے حالات کی وجہ سے اس انسان کے پر و بال کھلی فضا میں پرواز کرنے میں دقت کا سامنا کرتے تھے۔ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ وہ واقعاً انٹرنیشنل ہو جائیں اور علم دوستی اور معارف پروری میں ان کی شہرت بھی بین الاقوامی ہو جائے۔اسی زمانے میں مَیں نے محسوس کیا کہ وہاب صاحب میں لائبریری کے باقی عملہ کی نسبت انفرادیت پائی جاتی ہے۔بیسویں صدی عیسوی کے ساٹھ اور ستر کے عشرے میں لائبریری کے سٹاف کی تعداد سو سے زائد ہی ہوگی۔برسات کے موسم میں لاہور میں شدید بارش ہوتی تھی۔اب بھی ہوتی ہے۔بارش کی وجہ سے لباس خراب ہو جاتا یا چھینٹے پڑنے سے داغدار ہو جاتا۔ہم نے دیکھا کہ اس موسم میں وہاب صاحب اپنے لباس کا ایک زائد جوڑا ساتھ لاتے تا کہ پہنا ہوا لباس اگر خراب ہو جائے تو دوسرا جوڑا پہن لیا جائے۔وہ ایسا ہی کرتے تھے۔اس سے ان کی طبیعت میں لطافت اور نظافت ظاہر ہوتی تھی۔

عینک استعمال کرتے تھے۔اس کے فریم کا خاص خیال رکھتے تھے۔بتایا کرتے تھے کہ میں روزانہ صبح عینک کے شیشے اور فریم کو صابن کے ساتھ دھوتا ہوں۔

نتیجہ یہ ہوتا کہ عینک تو صاف وشفاف رہتی لیکن اس کا فریم جلد بدلنا پڑتا۔ یہ بات بھی ان کی طبیعت کی نفاست پر دلالت کرتی تھی۔

وہاب صاحب کی ذاتی صفات میں سے ایک اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنے رفقاء کے ساتھ بہت خلوص سے پیش آتے تھے۔ اگر کسی رفیق کار کا کام ہوتا تو اس کے ساتھ چلے جاتے۔ وہ بے لوث خدمت کے قائل تھے۔ ان کی امکانی حد تک یہ کوشش ہوتی کہ زیر حوالہ کام ہو جائے۔ یہاں پر میں اپنے ذاتی حوالے سے دو واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں میرے ایک بھانجے (ڈاکٹر سید اجمل حسین رضوی مرحوم) نے میٹرک کا امتحان بہت اچھے نمبروں میں پاس کیا تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ عزیز ویٹرنری کالج، لاہور (موجودہ ویٹرنری یونیورسٹی، لاہور) میں داخل ہو جائیں۔ مجھے سروس میں آئے ہوئے چند سال ہی ہوئے تھے۔ زیادہ شناسائی اور واقفیت بھی نہیں تھی۔ داخلے کے بارے میں مطلوبہ معلومات حاصل کرنا تھیں یعنی داخلے کا میرٹ وغیرہ۔ میں نے خاں صاحب سے بات کی۔ انہوں نے کہا کہ اس کالج کے ایک استاد میرے واقف ہیں۔ ان کے پاس جائیں گے اور معلومات حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ خاں صاحب میرے ساتھ اس کالج میں گئے۔ پروفیسر صاحب سے میرا تعارف کروایا اور عزیز کے داخلے کے متعلق بات کی۔ انہوں نے معلومات فراہم کر دیں۔ وقت آنے پر عزیز میرٹ پر ہی داخل ہو گئے۔ خاں صاحب نے میرے ذہن میں موجود الجھن کو آسانی سے حل کروا دیا۔

اسی طرح کا میرا ایک اور ذاتی مسئلہ تھا۔ میرے دانتوں میں تکلیف تھی۔ میں نے وہاب صاحب سے بات کی۔ انہوں نے کہا: ”یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دانتوں

کے ایک ڈاکٹر میرے واقف ہیں۔ان کا کلینک کرشن نگر (موجودہ اسلام پورہ) میں ہے۔میں آپ کے ساتھ ان کے پاس جاؤں گا۔ان سے آپ علاج کروالیں''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔خاں صاحب میرے ساتھ کرشن نگران کے کلینک میں گئے۔میرا تعارف کروایا اور کہنے لگے کہ ان کا علاج کریں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر نے پانچ چھ دن تک میرا علاج کیا اور دیگر مریضوں کی نسبت مجھ سے فیس بھی کم لی۔الحمدللہ میری وہ تکلیف رفع ہوگئی۔

اب جب کہ میں اکہتر سال کے قریب ہوں۔جب خاں صاحب کے ان فضائل اخلاق پر غور کرتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کو بہت پیچھے چھوڑ آیا ہے۔مواسات اور ہمدردی کا وہ جذبہ نظر نہیں آتا جو اس دور میں تھا۔خاں صاحب کا یہ طرزِ عمل ہر ایک کے ساتھ تھا۔وہ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔اس دور کی اقدار اور آج کی قدروں میں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے۔''مردانِ راہِ خدا'' کم ہی نظر آتے ہیں۔اس وقت مجھے شیخ سعدیؒ کا یہ قطعہ یاد آرہا ہے:

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دل دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام
کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

ترجمہ: میں نے سنا کہ مردانِ راہ خدا (اللہ تعالیٰ کے نیک بندے) نے دشمنوں کے دلوں کو تنگ نہیں کیا (دل آزاری نہیں کی)۔تجھے یہ مقام کب حاصل ہوگا،

کیوں کہ تیری دوستوں کے ساتھ مخالفت اور لڑائی ہے۔

کوہستان اخبار لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ ایک سنیئر صحافی اس کے عملہ ادارت میں کام کرتے تھے۔ وہاب صاحب کے ان کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔ ایک روز مجھے ان کے دفتر میں لے گئے۔ میرا ان سے تعارف کروایا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اگر علم اور لائبریری کے حوالے سے ایک مضمون لکھ کر دیا جائے تو کیا وہ اخبار میں شائع ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ لکھیں، اگر قابل اشاعت ہوا تو چھپ جائے گا۔ چنانچہ میں نے اس حوالے سے ایک مضمون لکھا۔ انہوں نے اس کو ایڈٹ (Edit) کیا اور چھاپ دیا۔ مجھے یاد ہے کہ یہ میرا پہلا مضمون تھا جو کوہستان اخبار میں شائع ہوا۔ اس مضمون کو لکھنے کے لیے وہاب صاحب اور ان کے دوست صحافی محرک ثابت ہوئے۔ افسوس کہ اس مضمون کی کاپی میرے پاس محفوظ نہیں ہے۔

خاں صاحب کے فضائل اخلاق میں مہمان نوازی بھی نمایاں تھی۔ مہمانوں کے لیے ان کا دستر خوان کھلا تھا۔ تنگدستی کے دور میں بھی وہ اس صفت کا وافر حصہ رکھتے تھے۔ چند ماہ پہلے میں پروفیسر ڈاکٹر آفتاب اصغر، پروفیسر کرسی فردوسی (Firdausi Chair)، علامہ اقبال کیمپس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ملنے کے لیے ان کے دفتر گیا۔ پروفیسر صاحب چیئر مین، شعبہ فارسی، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور بھی رہ چکے ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں یونیورسٹی سروس سے ریٹائر ہوئے تھے۔ اب فردوسی چیئر کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ جب وہ پی ایچ۔ ڈی کر رہے تھے تو لائبریری میں آ کر کافی دیر تک بیٹھا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک روز میں لائبریری میں کام کر رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔ وہاب صاحب سے میری شناسائی تھی۔ میں نے ان

سے کہا کہ میرے پاس گاڑی ہے۔ میں آپ کو آپ کی رہائش گاہ (واقع سانده) پر ڈراپ کردیتا ہوں۔ وہاب صاحب کہنے لگے: ٹھیک ہے لیکن ایک شرط پر۔ میں نے پوچھا: کیا شرط ہے؟ کہنے لگے: اگر آپ مجھے میری رہائش گاہ پر ڈراپ کریں گے تو آپ کو ہمارے ہاں سے چائے پینا پڑے گی اور اس کے ساتھ پکوڑے بھی کھانا ہوں گے۔ میں نے یہ شرط مان لی۔ جب میں نے ان کو ڈراپ کیا تو انہوں نے چائے بنوائی اور پکوڑے بھی۔ ان کی شرط کے مطابق میں نے ان کے ساتھ چائے بھی پی اور پکوڑے بھی کھائے۔ ابھی وہاب صاحب کے بچے چھوٹے تھے۔ مہمان نوازی کا یہ جذبہ تھا جو ان کے اندر اس وقت بھی موجود تھا جب کہ ان کی مالی حالت ابھی اچھی نہیں تھی۔ جب نیویارک جا کر آباد ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے مالی حالات بہت بہتر ہو گئے، تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ پاکستان سے جو احباب نیویارک میں آئیں، وہ ان کی مہمان نوازی کے لیے بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اس کا اظہار آئندہ صفحات پر ملے گا۔

وہاب صاحب نے قریباً بارہ تیرہ سال لائبریری میں سروس کی۔ اس حوالے سے چند نکات تحریر کیے جاتے ہیں۔ میرے علم کے مطابق پہلے وہ کئی سال تک لائبریری کے کاؤنٹر پر کاؤنٹر اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ لائبریری استعمال کرنے والے پہلے کاؤنٹر پر ہی آتے ہیں۔ کتابوں کا اجراء اور واپسی اسی مقام پر ہوتی ہے۔ قارئین کا پہلا رابطہ کاؤنٹر سٹاف سے ہی ہوتا ہے۔ خاں صاحب قارئین سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ ان کی لائبریری کے بارے میں بساط بھر راہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کرتے۔ اس طرح ان کے بہت سے پڑھے لکھے حضرات سے

تعلقات استوار ہو گئے۔ ان کا حلقۂ تعارف بہت وسیع ہو گیا۔ ان کی شناسائی کا دائرہ بھی بہت وسیع ہو گیا۔ ان میں ہر شعبۂ زندگی کے نامور لوگ شامل تھے۔ کلیاتی اور جامعاتی استاد، ادیب، صحافی، شاعر اور سول سروس کے لوگ بھی۔

اس کے بعد ان کو لائبریری کے دیگر شعبوں میں بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے لائبریری کے اورینٹل سیکشن میں بھی کئی سال کام کیا۔ اس سیکشن میں ان کی بنیادی ذمہ داری اُردو کتب کی کیٹلاگ سازی (Cataloguing) تھی۔ لائبریری میں اس زمانے میں اُردو ٹائپ رائٹر کا استعمال بھی شروع نہیں ہوا تھا۔ وہاب صاحب ہاتھ سے کتابوں کے کارڈ بناتے تھے۔ اگر اُردو کتب کے کارڈ کیٹلاگ کو دیکھیں، تو ان کے ہاتھ کے بنائے ہوئے کارڈز کثیر تعداد میں نظر آئیں گے۔ کارڈ سازی کے علاوہ وہ سیکشن سے متعلق دوسرے امور بھی سرانجام دیتے تھے۔

لائبریری میں ایک شعبہ سنسکرت سیکشن کے نام سے تھا۔ اس میں مطبوعات کے علاوہ مخطوطات کی تعداد ۸۶۷۱ کے قریب ہے۔ اس دور میں یہ شعبہ لائبریری کے احاطے کے بیرونی گیٹ سے داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ کی جانب پہلی منزل پر واقع ایک ہال میں تھا۔ لائبریری انتظامیہ نے وہاب صاحب کے ذمے یہ کام لگایا کہ مخطوطات کی صفائی کروائی جائے اور ان کو اندارج نمبر (Accession Number) کے اعتبار سے ترتیب دیا جائے۔ صفائی کے لیے ایک لائبریری اٹنڈنٹ کی ڈیوٹی بھی ان کے ساتھ لگائی گئی۔ یہ بہت مشکل کام تھا۔ مخطوطات کے ساتھ کام کرنے والے جانتے ہیں کہ ان کی ترتیب و تنظیم بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر وہ سنسکرت اور ہندی وغیرہ زبانوں میں ہوں۔ یہ تو ایسا ہی ہے:

''زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم''۔ بہرحال وہاب صاحب نے حسبِ حکم یہ کام شروع کروایا۔ خود مخطوطات کو ترتیب دیتے۔۔ ہر روز کام کرنے کے بعد صابن کے ساتھ اچھی طرح ہاتھ دھوتے اور چہرہ بھی۔ پرانی کتب اور مخطوطات کی مٹی انسانی صحت کے لیے ضرر رساں بھی ہوتی ہے۔ جب کام کر کے واپس سیکشن (اورینٹل سیکشن) میں آتے تو کہتے کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے بھی ایسے ہی معلوم ہوتا تھا۔ بہر صورت یہ کام جاری رہا اور خاں صاحب نے تمام مخطوطات کو ترتیب دیا۔ ہر الماری کے شیشے والے دروازے پر اس میں موجود مخطوطات کے نمبر بڑی بڑی سلپوں پر لکھے اور ان کو سامنے والے حصّے پر چسپاں کر دیا تا کہ اگر کسی مخطوطے کو تلاش کرنا ہو تو اس میں آسانی رہے۔ یہ کام وہاب صاحب نے بہت محنت اور جاں فشانی سے کیا۔ وقت طلب ضرور تھا، لیکن ایسے لگا جیسے وہ اس مشکل کام کے کرنے کے خوگر ہو گئے ہیں۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رانج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

راقم السطور اس زمانے میں اورینٹل سیکشن کا انچارج تھا۔ وہاب صاحب کے امریکہ جانے کے بعد جب کبھی کسی استفسار کے سلسلے میں مجھے سنسکرت سیکشن میں جانا ہوتا تو میں دیکھتا کہ خاں صاحب کے ہاتھ سے لکھی ہوئی سلپیں الماریوں کے دروازے پر چسپاں ہیں۔ ان کے ذریعے مطلوبہ مخطوطے تک رسائی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ خاں صاحب کے یہ کام شاید اس وقت نمایاں طور پر سامنے نہیں آئے تھے۔ لائبریری انتظامیہ کے رویے سے وہ کبھی کبھار نہایت شائستہ انداز سے اپنے

دوستوں کے ساتھ شکوہ کے الفاظ بھی ادا کر دیتے۔ یہ ان کی عالی ظرفی تھی کہ وہ اس حوالے سے شائستگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔

یہاں پر یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت سیکشن کے ذخیرہ مخطوطات کو وولنر کلیکشن (Woolner Collection) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اے۔سی۔ وولنر (Dr.A.C.Woolner) (وفات ۱۹۳۶ء) کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اس ذخیرے کا نام ان کے نام پر رکھا گیا۔ اس حوالے سے اپنے ایک مضمون: ''پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ذاتی ذخائر کتب'' مشمولہ: سہ ماہی خبرنامہ پاکستان لائبریری ایسوسی ایشن (پنجاب)، جلد۳، شمارہ ۳، ۴ (۱۹۹۳ء) کا ایک اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے جس سے اس ذخیرہ کا تعارف ہو جاتا ہے۔ یہ اقتباس ''ذخیرہ وولنر کے ذیلی عنوان سے لیا گیا ہے:۔

''لائبریری کے ذخیرۂ کتب مخطوطات میں ۸۶۷۱ نسخے سنسکرت کے ہیں۔ ان کو '' ذخیرۂ وولنر'' کہا جاتا ہے۔ اے۔سی۔ وولنر Dr.A.C.Woolner (۱۸۷۶ء۔۱۹۳۶ء) اعزازی لائبریرین کے فرائض بھی ادا کرتے رہے۔ اسی دور میں لائبریری کی علامہ اقبال کیمپس (اولڈ کیمپس) والی عمارت تکمیل کو پہنچی۔ وہ سنسکرت کے پروفیسر اور اورینٹل کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کے رجسٹرار اور آخر میں وائس چانسلر بھی رہے۔ اسی حیثیت سے ان کا ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔ وفات کے بعد ان کی بہت سی یادگاریں قائم کی گئیں۔ ان کے

اعزاز میں سنسکرت کے مجموعہ مخطوطات کو وولنر کلیکشن Woolner Collection کہا جاتا ہے۔لبھو رام (وفات ۱۹۴۴ء)، سابق لائبریرین، نے ۱۹۳۲ء میں لکھا کہ اس ذخیرے کا آغاز چند مخطوطات سے کیا گیا اور یہ پرنسپل اے۔سی۔وولنر کے اعزازی لائبریرین کے دور میں بتدریج ترقی کرتا رہا۔یہاں تک کہ اب اس میں ۶۷۸۲ مخطوطے شامل ہیں۔بعد میں بھی اس ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہا۔اس کی مختصر فہرست (Hand List) دو جلدوں میں ۱۹۳۲ء اور ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔یادگار کے طور پر ان کی تصویر بھی ذخیرے کے ساتھ آویزاں کی گئی۔یہاں پر اس کا ذکر مناسب ہوگا کہ پروفیسر وولنر کی وفات کے بعد مسز وولنر نے اپنے شوہر کی تمام قیمتی کتب یونیورسٹی لائبریری کو عطا کر دیں۔ان کتب کی تعداد ۱۵۷۵ تھی''۔

اس ذخیرے کا تعارف کروانے کا مقصد یہ ہے کہ وہاب صاحب نے ان مخطوطات کی ترتیب کا کام کیا تھا۔پہلے یہ شعبہ لائبریری کی عمارت کے گراؤنڈ فلور پر واقع ایک ہال میں قائم تھا۔بعد میں اس کو لائبریری کی عمارت کے مذکورہ ہال میں منتقل کیا گیا تھا۔اس عمل میں کتابوں اور مخطوطات کی ترتیب کا غیر مرتب ہو جانا ایک فطری بات تھی۔دنیا کے مختلف ممالک سے ان مخطوطات کے متعلق استفسارات آتے تھے۔ان کا جواب دینے کے لیے اس کی ترتیب و تنظیم بہت ضروری تھی۔اس لیے یہ اہم کام وہاب صاحب کے ذمے لگایا گیا تھا۔

لائبریری سروس کے حوالے سے وہاب صاحب کی ایک ذمہ داری کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے ساٹھ اور ستر کے عشرے میں یہ معمول تھا کہ سالانہ جانچ پڑتال (Stock-taking) کے لیے موسم گرما کی تعطیلات میں لائبریری دو ماہ کے لیے بند کر دی جاتی تھی۔ لائبریری استعمال کرنے والوں کو عام طور پر لائبریری کی خدمات سے استفادہ کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے لیے باقاعدہ قومی اخبارات میں خبر شائع کی جاتی تھی تاکہ لائبریری استعمال کرنے والوں کے علم میں یہ بات آجائے۔ انتہائی ناگزیر حالات میں اس دوران تحقیق کرنے والوں کو خاص اجازت دی جاتی تھی کہ وہ لائبریری میں آکر کام کرسکیں۔ اس دور میں قواعد وضوابط پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں ڈسپلن میں نرمی پیدا ہوتی گئی۔ یہ چلن ہماری معاشرتی زندگی کے تمام شعبوں میں عام ہوتا گیا۔ اس کا اثر لائبریری پر بھی ہوا۔

ان دو مہینوں میں سالانہ جانچ پڑتال کے علاوہ دیگر رکے ہوئے کام بھی کروائے جاتے تھے جیسے ہر سال اسی دوران لائبریری کی عمارت میں سفیدی کا کام کروایا جاتا تھا۔ مرمت کا کام بھی کروایا جاتا تھا، فرنیچر کی مرمت بھی عموماً اسی دوران کی جاتی۔ اب اصل مقصد کی طرف آتے ہیں کہ سالانہ جانچ پڑتال کے لیے لائبریری کے ہر شعبے میں تقسیمِ کار کی جاتی۔ عملہ مصروف ہوجاتا۔ اس دور میں شعبہ جاتی لائبریریوں میں اس لائبریری (Main Library) سے کافی تعداد میں مطلوبہ کتابیں منتقل ہوجاتی تھیں۔ ان کی سالانہ جانچ پڑتال بھی کی جاتی تھی۔ یہ کام عام طور پر وہاب صاحب کے ذمے لگایا جاتا تھا۔ خاں صاحب وقت پر صبح لائبریری میں آتے، حاضری

لگاتے، اور پھر کسی تدریسی شعبے کی طرف روانہ ہوجاتے تاکہ منتقل کی گئی کتابوں کی پڑتال کریں۔ وہ یہ کام کرتے، رپورٹ تیاری کرتے اور لائبریری کی انتظامیہ کو پیش کردیتے۔ اس انداز سے ان دو مہینوں میں وہاب صاحب یہ کام مکمل کرلیتے۔ اس طرح یونیورسٹی کے غیر تدریسی اور تدریسی عملے کے ساتھ ان کو باہمی ارتباط (Mutual Interaction) کا موقع ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسم گرما کی تعطیلات میں دیگر عملہ تو لائبریری کے اندر فرائض سرانجام دیتا اور وہاب لائبریری سے باہر شعبہ جاتی لائبریریوں میں جاکر یہ کام کرتے۔

میں نے کوشش کی ہے کہ ان صفحات میں وہاب صاحب کی لائبریری میں سروس کے دوران اہم فرائض کا کسی حد تک احاطہ کرسکوں۔ انہوں نے ۱۹۶۰ء میں لائبریری کی سروس اختیار کی۔ راقم السطور نے ۲۳ جولائی ۱۹۶۳ء کو لائبریری میں ملازمت کا آغاز کیا۔ مجھے قریباً دس سال تک وہاب صاحب کے ساتھ لائبریری میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اس عشرے میں مَیں نے ان کے کام کے متعلق اہم نکات کو تحریر کرنے کی کوشش کی ہے۔ روزمرہ کے معمولات کو بیان نہیں کیا۔ اسی دور میں راقم السطور نے یہ بھی محسوس کیا کہ خاں صاحب میں حسِ مزاح بہت زیادہ ہے۔ وہ بات سے بات نکالتے ہیں۔ خوش بیانی اور لطیف نکتہ آفرینی ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں متعدد مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں۔ یہاں پر چند مثالیں بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ وہاب صاحب، لائبریری کے کاؤنٹر پر فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک لال دین نامی جینیٹر (Janitor) ایک سٹول

پرنگرانی کے لیے بیٹھتے تھے۔ وہ ۱۹۶۳ء میں ریٹائرمنٹ کے قریب تھے یعنی خاصے معمر تھے۔ خاں صاحب ابھی عالمِ شباب میں تھے۔ وہاب صاحب محبت اور پیار سے اپنے سے چھوٹی عمر کے لوگوں کو عموماً بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ اس لفظ سے پیار کی خوشبو آتی ہے۔ ہم نے کئی بار یہ منظر دیکھا کہ خاں صاحب جب لال دین سے مخاطب ہوتے تو کہتے ''بیٹا لال دین! بات سننا''۔ معلوم نہیں وہ زبان کی اسی روانی کے ساتھ کہہ جاتے یا تفننِ طبع کے لیے ان کو بیٹا کہہ جاتے۔ بہرحال ہم ان کے اس فقرے سے بہت محظوظ ہوتے۔

ایک اور بات جس سے بہت مزاح کی کیفیت پیدا ہوتی وہ یہ تھی کہ اگر خاں صاحب کسی سے محوِ گفتگو ہوتے تو درمیان میں کہہ دیتے: ''جناب میں آپ کا سند یافتہ (Degree Holder) خادم ہوں''۔ اس فقرے کی معنویت گہرائی لیے ہوئے ہوتی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ سند یافتہ لائبریرین ہیں۔ دوسرے ہمارے پروفیشن ''لائبریرین شپ'' کی بنیاد سروس فراہم کرنے پر ہے یعنی Service Oriented ہے۔ اس اعتبار سے یہ فقرہ بہت معنیٰ خیز ہوتا جس سے مزاح بھی پیدا ہوتا اور حقیقت پر بھی دلالت کرتا۔

اس زمانے میں جلد سازی کا کام لائبریری کے اندر ایک چھوٹے سے کمرے میں ہوتا تھا جس کی ایک کھڑکی باہر برآمدہ میں اس جانب کھلتی تھی جہاں اولڈ کیمپس (علامہ اقبال کیمپس) میں وائس چانسلر کا دفتر موجود ہے۔ اس کا دروازہ عمارت کے اس حصے میں کھلتا تھا جو اورینٹل سیکشن کے ساتھ ملحق تھا۔ جلد سازی کا کام ایک معاہدے کے تحت کیا جاتا تھا جس کے نرخوں پر وقت کے ساتھ ساتھ نظرثانی کی جاتی

تھی۔ جلد ساز کا نام محمد اقبال عرف ''بالا'' تھا۔ یہ اب مرحوم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے (آمین)۔ اپنے فن میں بہت ماہر تھے۔ لاہور میں چند جلد ساز معروف تھے جن میں ان کا شمار بھی ہوتا تھا۔ یہ صاحب ایف۔ اے پاس تھے۔ ان کا قد لمبا اور رنگ گندمی تھا۔ سردیوں کے موسم میں جب یہ لائبریری میں اپنے دفتری خانہ میں آتے تو گرم سوٹ (کوٹ اور پینٹ) پہنے ہوتے تھے، ٹائی بھی لگاتے تھے اور بوٹ پہنتے تھے۔ جب دفتری خانے میں اپنے اڈے پر بیٹھتے تو ان کا معمول تھا کہ وہ پینٹ (پتلون) کی بجائے چادر (تہبند) باندھ لیتے۔ شوز اتار کر ہوائی چپل کا استعمال کرتے۔ کوٹ اور ٹائی لگی رہتی۔ کام شروع کر دیتے۔ ان کے ساتھ دو تین اور کاریگر بھی کام کرتے تھے۔ اگر جلد کے متعلق کوئی کام ہوتا تو اٹنڈنٹ سے کہا جاتا کہ ''بالے'' کو بلاؤ۔ ایک روز راقم السطور، وہاب صاحب اور ایک اور صاحب ہمارے ساتھ بیٹھے تھے۔ دفتری خانے کے متعلق کوئی کام درپیش تھا۔ لائبریری اٹنڈنٹ سے کہا گیا کہ ''بالے'' کو بلائیں۔ جب انہیں پیغام پہنچا تو وہ اسی لباس (پینٹ، ٹائی اور چادر) کے ساتھ ہوائی چپل پہنے ہوئے آگئے۔ ان سے بات ہوئی اور وہ واپس چلے گئے۔ جو صاحب ہمارے قریب بیٹھے تھے، وہ متعجب ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ صاحب کون ہیں؟ وہاب صاحب نے کہا کہ ان کو آپ نہیں جانتے یہ بہت بڑے سکالر ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کس مضمون (Subject) کے سکالر ہیں۔ وہاب صاحب نے کہا کہ یہ پنجابی کے بہت بڑے سکالر ہیں اور پنجابی میں پی ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ خاں صاحب کی اس جملہ بازی سے قہقہہ بلند ہوا اور ہم اس سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

ہمارے ایک سینئر رفیق کار محمد انوار الحق قریشی صاحب[۱] شعبۂ انگریزی (جنرل سیکشن) میں کام کرتے تھے۔ یہ صاحب بعد میں چیف لائبریرین کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ آج کل صاحب فراش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ اسی دور (انیس سو ستر عیسوی کے عشرے) کی بات ہے کہ ایک روز انوار صاحب کسی کام کی غرض سے اورینٹل سیکشن میں تشریف لائے۔ پھر وہ اپنے سیکشن میں واپس جانے لگے۔ ابھی چند قدم ہی گئے تھے کہ خاں صاحب (وہاب صاحب) نے ان کو آواز دی اور کہا: انوار صاحب! ایک بات سن کر جانا۔ وہ لوٹے اور ہماری میز کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہاب صاحب نے کہا: آپس کی بات ہے، ذرا اور قریب ہو جائیں۔ وہ میز پر ہاتھ رکھ کر ذرا جھک گئے اور کہنے لگے وہاب صاحب کیا بات ہے؟ اب وہاب صاحب گویا ہوئے: انوار صاحب! سنا ہے آپ چپڑاسیوں کے ساتھ بھی انگریزی بولتے ہیں۔ اب انوار صاحب جو اس دور میں یکی دروازہ کی اپنی آبائی حویلی میاں غوث محمد میں مقیم تھے، خالص پنجابی لہجے میں کہنے لگے: ''چھڈ یار وہاب، کیہو جیاں گلاں کرنا آں'' (چھوڑ یار وہاب! کیسی باتیں کرتے ہو) اس مکالمہ سے راقم السطور بہت محظوظ ہوا۔ خاں صاحب ایسی باتیں تفنن طبع کے لیے کرتے تھے۔ مزاج میں شگفتگی تھی، جوانی کا عالم تھا۔

اس کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ ان کے مزاج میں سنجیدگی غالب آتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار بیٹیوں سے نوازا تھا۔ ان کو نرینہ اولاد کی بہت خواہش تھی۔ خداوند عالم نے بعد میں ان کو بیٹا عطا کیا یعنی عزیز شکیل سلیم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اب انہوں نے اپنے مستقبل کے بارے میں بڑے بڑے فیصلے کرنے شروع کیے۔ اس

وقت پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔اے لائبریری سائنس کی کلاس نہیں ہوتی تھی۔ جامعہ پنجاب میں اس کا اجراء ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ جامعہ کراچی میں ۱۹۶۲ء سے ایم۔اے (لائبریری سائنس) کی کلاس جاری تھی۔ ہمارے چار رفقائے کار ایشیا فاؤنڈیشن کے سکالرشپ پر اس مضمون میں کراچی سے ایم۔اے کر کے آئے تھے۔ چند اپنے ذاتی خرچ پر بھی اس مقصد کے لیے کراچی گئے تھے۔ خاں صاحب نے بھی ایم۔اے کرنے کا ارادہ کرلیا۔ وہ اپنے خرچ پر کراچی گئے۔ وہاں ایک سال کی تعلیم مکمل کی اور ایم۔اے کر کے واپس آ گئے۔ اب لائبریری انتظامیہ نے بھی ان کی قدر افزائی شروع کر دی یعنی ان کو ڈپلوما اِن لائبریری سائنس کا ایک کورس پڑھانے کے لیے دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے چند ماہ اس کلاس کو پڑھایا بھی۔

غالباً انہی دنوں ہم لائبریری میں بیٹھے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ لاہور کے ایک سینما میں فلم ''خانۂ خدا'' لگی ہوئی ہے۔ اس میں مناسکِ حج اور عبادات کے طریقے دکھائے جاتے ہیں۔ حج کے حوالے سے بہت معلوماتی فلم ہے۔ میں نے کہا: خاں صاحب! میں جب سے لاہور میں آیا ہوں، کبھی فلم دیکھنے کے لیے سینما میں نہیں گیا۔ فرمانے لگے یہ عام قسم کی فلم نہیں ہے بلکہ اسلام کے ایک اہم رکن حج کے متعلق ہے۔ میں نے آمادگی کا اظہار نہ کیا۔ چند روز کے بعد دوبارہ اسی موضوع پر بات کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس طرح پروگرام بناتے ہیں کہ کسی روز دفتر سے فارغ ہو کر آپ میرے ساتھ گھر تشریف لائیں۔ دوپہر کا کھانا ہم اکٹھے گھر پر ہی کھائیں گے۔ پھر فلم ''خانۂ خدا'' دیکھنے کے لیے جائیں گے۔ خاں صاحب نے کافی اصرار کیا۔ بالآخر میں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ان کی رہائش گاہ سانده میں تھی۔ میں

حسبِ پروگرام ایک روز ان کے ساتھ ان کے دولت کدہ پر گیا۔ وہاں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ دورانِ طعام فرمانے لگے کہ رضوی صاحب! دیکھیں یہ ماش یا غالباً مونگ کی دال کی ڈش خاص طور پر خورشید نے بنائی ہے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ کھانے کے بعد کہنے لگے کہ اب چلتے ہیں۔ چنانچہ فلم دیکھنے کے لیے چلے گئے۔ فلم دیکھی۔ اس میں مختلف ممالک سے حاجیوں کی آمد دکھائی گئی تھی اور ان کو حج کی عبادات کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ یہ فلم واقعی حج کے بارے میں بہت معلومات افزا تھی۔ اُس وقت تو میں ان کے اصرار کو نہ سمجھ سکا۔ لیکن بعد میں جب وہ امریکہ چلے گئے اور دولت و ثروت ان کی کنیز بن گئی۔ نتیجۃً وہ متعدد بار حج اور عمرہ کے لیے جانے لگے۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ شروع ہی سے ان کے اندر ایک جذبہ تھا جو ان کو حرمین شریفین کی زیارت پر اکساتا تھا۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا اور ہے کہ وہ بار بار حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اب وہاب صاحب کے مزاج میں واضح تبدیلی نظر آنے لگی۔ مالی حالت اچھی نہ تھی۔ یہ ایک فطری بات تھی کہ ان کو بچوں کے مستقبل کے بارے میں فکر دامن گیر تھی۔ بالفاظِ دیگر وہ اب اس فضا میں گھٹن محسوس کر رہے تھے۔ یہاں کی فضا ان کی اڑان کے لیے سازگار نہ تھی۔ وہ کھلی فضا میں پرفشاں ہونا چاہتے تھے۔

جنوں کی وسعتوں پہ تنگ ہے سجدہ دو عالم کا

جو سجدہ ہو تو پھر سجدہ بقیدِ آستاں کیوں ہو

آستاں کی قید انہیں بھاتی نہیں تھی۔ وہ امریکہ جانے کے لیے پر تولنے لگے۔اس مقصد کے لیے شب و روز کوشاں ہو گئے۔ بالآخر اس میں کامیاب ہوئے اور امریکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں محنت سے کام کیا۔اپنے خاندان اور بچوں کے لیے ڈالر کمائے۔ بعد میں بچوں کو بھی وہاں لے گئے یعنی نیویارک میں جا کر آباد ہو گئے۔اب درحقیقت وہ انٹرنیشنل ہو گئے۔اپنے چھوٹے بھائی عبدالدیان [۲] کو بھی وہاں بلا لیا۔ان کو پیار سے ''گوریلا'' کہا کرتے تھے۔انہوں نے اپنے بچوں کے لیے جو منصوبہ سازی کی تھی۔اس میں کامیاب ہو گئے۔سب بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں۔کامیابی اور خوش حالی نے وہاب صاحب کے قدم چومے۔اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کرتے ہیں۔

وہ غالباً ۱۹۷۳ء میں امریکہ گئے ،لیکن انہوں نے اپنے وطن عزیز سے برابر رشتہ قائم رکھا۔ان کو اپنی مٹی سے بہت پیار ہے۔ان کا معمول تھا کہ وہ اپنے احباب کو بہت خطوط لکھتے تھے۔فروری ۱۹۹۴ء میں پاکستان آئے۔لائبریری میں بھی تشریف لائے۔لائبریری ۱۹۸۸ء میں نیو کیمپس (قائداعظم کیمپس) میں منتقل کر دی گئی تھی۔ جب اس سال وہ لائبریری میں تشریف لائے ،تو میں نے ان سے ازراہ تفنن طبع پوچھا کہ وہاب صاحب! آپ دن میں کتنے خط لکھتے ہیں؟ کہنے لگے یہ تو میرا مشغلہ (Hobby) ہے۔اب وہ احباب سے فون پر برابر رابطہ رکھتے ہیں۔اپنے دوستوں اور احباب کے متعلق پوچھتے رہتے ہیں۔

راقم السطور کے والد ماجد (حکیم سید بشیر احمد رضوی) [۳] کا انتقال فروری ۱۹۹۲ء میں فیصل آباد کے چک نمبر ۱۳۲ گ۔ب (گوگیرہ برانچ) میں ہوا۔ان کو

مقامی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اسی سال دسمبر ۱۹۹۲ء میں میری جواں سال بیٹی سیدہ راشدہ زہراء[۴] کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔ وہاب صاحب کو دونوں کی وفات کی خبر ملی، تو تعزیت نامہ ارسال کیا۔ اس خط کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے ان کی ہمدردی اور اخلاص کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ خط ۲۵۔ اگست ۱۹۹۳ء کا لکھا ہوا ہے:۔

نیویارک

۲۵۔ اگست ۱۹۹۳ء

جناب بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم! مزاج گرامی۔ پرسوں آپ کا مکتوب عزیز وصول ہوا۔ آپ کے خط سے یہ خبر وحشت اثر ملی کہ عزیزہ راشدہ کا انتقال ہو گیا۔ اللہ اکبر۔ جوان بچی کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم دونوں کو اس قدر رنج و غم ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ ہم دونوں دل گرفتہ ہیں۔ حق تعالیٰ راشدہ مرحومہ کو جنت میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔ آمین۔

والد صاحب کے انتقال کا بھی افسوس ہوا۔ بزرگوں کا سایہ نعمت خداوندی ہوتا ہے، لیکن برادرم! ہم سب مجبور محض ہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، اس کی اپنی مصلحت۔

آپ کے والد مرحوم سے میری لائبریری میں کئی ملاقاتیں ہوئی تھیں اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ راشدہ مرحومہ کئی مرتبہ ڈاکٹر شمسی کے زیرِ علاج رہیں جب کہ وہ شیر خوار تھیں۔ یہ بچی جب پیدا ہوئی، میں آپ کا رفیق کار تھا۔ بھائی، اب ہمارا شامِ زندگی ہے، ہمارے

جانے کا وقت تھا، نہ کہ راشدہ کا تھا، حق تعالیٰ کی مصلحتیں۔

بچی کا انتقال کیسے ہوا، کیا مرحومہ نے کوئی اولاد چھوڑی۔ ضرور تحریر کیجئے گا۔ اور اس خط کا فوراً جواب دیجیے گا۔

ہم دنوں میاں بیوی، تیسرا حج ادا کرنے کے بعد، حق تعالیٰ کی مہربانی سے ۸ جون کو نیویارک واپس آ گئے تھے۔

الحمدللہ، الحمدللہ، میں، میری بیوی، رفعت اور نزھت (یہ ہماری جڑواں بیٹیاں ہیں) ۳۰ نومبر کو عمرہ کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ میں ایک طواف راشدہ مرحومہ کے نام کا کروں گا اور ایک طواف آپ کے والد مرحوم کے نام کا —— حق تعالیٰ ان دونوں کے جنت میں مقامات بلند فرمائے۔ آمین۔ یہ دونوں سعید روحیں تھیں، ان کو حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہے، حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہے۔

ہم تقریباً ۲ (دو) ہفتہ سعودی عرب (جدہ، مکہ شریف، مدینہ شریف) رہ کر ۱۵۔ دسمبر ۹۳ء (۱۹۹۳ء) تک نیویارک آ جائیں گے۔ انشاءاللہ۔

بھابی طیبہ (بیگم صاحب کا نام طیبہ ہے، اگر میں غلطی پر نہ ہوں) کو ہماری طرف سے سلام و دعا اور ہمارے جذبات قلبی ان تک پہنچا دیجیے گا، راشدہ کے انتقال نے ہم دونوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہم بھی بچیوں والے ہیں۔

فقط

عبدالوہاب

خورشید سلیم

وہاب صاحب نے ۱۴۔ مارچ ۱۹۹۵ء کو راقم السطور کو ایک خط ارسال کیا۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:۔

''حق تعالیٰ کی عنایت سے ہم دونوں میاں بیوی ۳۰۔ اپریل کو حج بیت اللہ کے لیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہماری یہ چھٹی حاضری ہوگی۔ رب کعبہ ہماری تمام حاضریوں کو قبول فرمائے۔ آمین، اور یہ حج، حج مبرور ہو، آمین۔

آپ کی مرحومہ صاحبزادی کے بلند درجات کے لیے ربِ کعبہ کے حضور، حرم شریف (میں) دعا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے جنت میں درجات بلند کرے، آمین''۔

اس سے پہلے خاں صاحب نے ۱۲۔ مئی ۱۹۹۳ء کو مجھے ایک خط ارسال کیا تھا جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ ہم ۸ جون ۱۹۹۳ء کو تیسرے حج کے لیے جا رہے ہیں۔ اس میں حج بدل کرنے کی بات کی ہے۔ یہ مکتوب بہت اہم ہے، کیوں کہ اس خط میں انہوں نے اپنی ذاتی اور خاندانی زندگی (بحوالہ حج) کا ذکر کیا ہے۔ جناب اے۔ رحیم (عبدالرحیم) [۵] سابق چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور کے متعلق راقم السطور سے ایک استفسار کیا ہے۔ کسی نے خاں صاحب کو یہ غلط خبر پہنچا دی کہ اے۔ رحیم صاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ اس خبر کی تصدیق

کے بارے میں مجھ سے استفسار کیا تھا۔ میں نے ان کو ۳۔ اگست ۱۹۹۳ء کو جواب لکھ دیا تھا۔ اے۔ رحیم صاحب ماشاء اللہ اب تک صحت وسلامتی سے ہیں۔ بڑھاپے کے عوارض میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت کاملہ عطا کرے۔ (رحیم صاحب کے متعلق یہ معلومات اُس وقت تک کے حالات کے بارے میں ہیں۔ ان کا انتقال ۸ فروری ۲۰۱۱ء کو لاہور میں ہوگیا)۔ زیرِ حوالہ مکتوب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

نیویارک

۱۲۔ مئی ۱۹۹۳ء

جناب برادرم سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی، ایک طویل عرصہ سے آپ کی طرف سے خط نہیں آیا، جس کی وجہ سے تشویش ہے۔ براہ کرم چند سطور تحریر کرکے خیریت کی اطلاع دیجیے گا۔ الحمدللہ ہم دونوں میاں بیوی ۱۸۔ مئی کو حج کے لیے روانہ ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ ۸۔ جون کو واپسی ہوگی۔

حق تعالیٰ کی مہربانی سے ہمارا یہ تیسرا حج ہے۔

۱۹۹۱ء میں ہم دونوں نے حج کرکے اپنا حج کا فرض ادا کیا تھا۔ اس سال، الحمدللہ میں اپنی والدہ کا حج بدل کروں گا اور خورشید اپنے والد مرحوم کا حج بدل کریں گی۔ میری والدہ بہت ضعیف ہیں اور لاہور میں رہتی ہیں، ان کے لیے خود حج پر جانا مشکل تھا۔

دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ حج قبول فرمائے، آمین، حج مبرور ہو، ہم

سب آپ کے لیے بیت اللہ شریف میں دعا کریں گے۔
کیا یہ خبر صحیح ہے، ایک صاحب بتلا رہے تھے کہ ہمارے لائبریرین عبدالرحیم خان کا انتقال ہو گیا (جس زمانہ میں، میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں تھا، رحیم صاحب لائبریرین (موجودہ چیف لائبریرین) تھے۔ براہ کرم مجھے ایک خط لکھ کر انتقال پر ملال کی صحیح اطلاع دیجیے گا۔
پرانے لوگوں میں اور کون کون لائبریری میں ہیں، محمودہ سلطانہ[۶] ہیں یا ریٹائر ہو گئی ہیں۔ انوار صاحب اور نصیر صاحب ہیں[۷]؟
آپ سے گزارش ہے کہ اطمینان سے، تفصیل سے مجھے خط تحریر فرمایئے گا۔
الحمدللہ میرے بچے سب خیریت سے ہیں۔ آپ کو سلام کہتے ہیں۔ آپ کے بچے اب کن کن کلاسوں میں ہیں؟
بھابھی صاحبہ کو میرا اور خورشید کا سلام کہیے گا۔ بچوں کو پیار۔ فقط

آپ کا

عبدالوہاب خاں سلیم

خورشید سلیم

وہاب صاحب میں وضع داری کی خوبی استقامت کے ساتھ موجود ہے۔ راقم السطور کے ساتھ برابر رابطہ رکھنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ میں اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے خط کا جواب جلد نہ دے سکتا تھا، لیکن خاں صاحب برابر خط لکھتے رہتے، یاد کرنے کا تحریر کرتے اور جواب لکھنے کے لیے بار بار کہتے۔ ذیل میں

ان کے چند خطوط نقل کیے جاتے ہیں، ان کو پڑھ کر اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انہوں نے ۱۲۔ مئی ۱۹۹۷ء کو درج ذیل مکتوب مجھے بھیجا۔

۱۲۔ مئی ۱۹۹۷ء

جناب من!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔

اس لمحہ آپ کو یاد کر رہا ہوں، آپ کے خط کا انتظار بھی کر رہا ہوں۔

فقط

آپ کا

عبدالوہاب خاں سلیم

خاں صاحب نے ۱۷ نومبر ۱۹۹۸ء کو ایک طویل خط ارسال کیا۔ اس میں بھی یاد کرنے کے متعلق لکھا ہے۔ یہ مکتوب درج ذیل ہے:۔

۱۷۔ نومبر ۱۹۹۸ء

عزیز از جان بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔

اس لمحہ آپ کو خصوصی طور پر یاد کر رہا ہوں۔ حسب معمول آپ کی تحریر سے محروم ہوں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب [۸] آج کل یہاں امریکہ آئے ہوئے ہیں، ان سے فون پر بات ہوتی رہتی ہے۔ آپ کا بھی ذکرِ خیر ہوتا ہے۔ ہم دونوں آپ کا نام محبت سے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ آمین۔

ماہ دسمبر میں ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب پاکستان آئیں گے۔صاحب موصوف اپنے بھائیوں کے پاس ریاست اوہائیو (OHIO) آئے ہوئے ہیں۔

آپ مجھے خط تحریر نہ کر کے ظلم فرما رہے ہیں، براہ کرم خط تحریر کیجیے گا۔

الحمدللہ، یکم دسمبر کو یہ خاکسار، اہلیہ خورشید سلیم، بیٹی نزہت سلیم عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ شریف جا رہے ہیں۔انشاءاللہ آپ سب کے لیے حرم شریف میں دعا کریں گے۔عزیز دوست مرحوم اسلم صاحب کے لیے بھی دعا کروں گا،اور ان کے نام کا ایک طواف بیت اللہ شریف بھی کروں گا۔انشاءاللہ۔

شاہ جی! خدا شاہد ہے کہ آپ کو بہت یاد کرتا ہوں۔خط تحریر کر کے شاد کام فرمایئے گا۔براہ کرم فون پر ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب[9] کو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔آپ کی طرح وہ بھی میرے مہربان دوست ہیں۔

دعاؤں کا طالب

عبدالوہاب خاں سلیم

وہاب صاحب نے ایک خط ۲۶۔مئی ۱۹۹۹ء کو مجھے لکھا۔اس میں بھی یاد کرنے کے بارے میں لکھا ہے۔ڈاکٹر منیر الدین چغتائی صاحب کے امریکہ میں آنے کا ذکر کیا ہے۔اس مکتوب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

۲۶۔مئی ۱۹۹۹ء

یہ فقیر خاکسار آپ کو اکثر یاد کرتا ہے۔ اس لمحہ خصوصی طور پر یاد کر رہا ہے۔ بے شک آپ میرا کام نہ کریں، خط تو تحریر فرمایئے۔

ہر روز آپ کے خط کا انتظار کرتا ہوں، مجھے آپ سے عقیدت ہے۔

کل ڈاکٹر منیر الدین چغتائی صاحب سے فون پر گفتگو ہوئی، ہفتہ میں دو مرتبہ ان سے بات ہو جاتی ہے۔

عزیز دوست پروفیسر اسلم مرحوم کی بیوہ محترمہ ریحانہ اسلم صاحبہ سے فون پر بات ہو جاتی ہے۔ یہ بھی امریکہ آئی ہوئی ہیں۔

آپ کا اپنا

عبدالوہاب خاں سلیم

بملاحظہ جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب،

لاہور۔

خاں صاحب نے ۲۶ جون ۱۹۹۹ء کو نیویارک سے مجھے ایک مختصر خط بھیجا۔ اس میں بھی یاد کرنے کا ذکر کیا ہے اور خط لکھنے کے لیے بھی کہا ہے۔

یہ خاکسار آپ کو یاد کر رہا ہے۔

شفقت فرمایئے، خصوصی توجہ فرمایئے، چند سطور لکھ کر احسان مند فرمایئے۔

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب،

لاہور۔

نیاز مند قدیم

عبدالوہاب خاں سلیم

۲۶۔ جون ۱۹۹۹ء

یہ مکتوب مختصر نویسی کا عمدہ نمونہ ہے۔ صرف تین فقروں میں اپنا مدعا خوبصورتی

سے بیان کردیا ہے۔

خاں صاحب عمرہ کرنے جاتے تو مکہ مکرمہ سے بھی خط لکھتے۔ وہاں ہمارے لیے دعا کرتے۔ انہوں نے ۲۵ ستمبر ۱۹۹۹ء کو مجھے ایک خط مکہ مکرمہ سے بھیجا۔ اس میں عمرہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس مختصر خط کر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

ہوٹل زینی عارف

مکہ المکرّمہ

۲۵۔ ستمبر ۱۹۹۹ء

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب!

سلام شوق۔

یہ خاکسار حرم شریف میں آپ سب کے لیے دعائے خیر کرتا ہے۔ ہم تینوں عمرہ کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں۔ حق تعالیٰ عمرہ قبول فرمائے۔ آمین۔

فقط

طالبِ دعا

عبدالوہاب خاں سلیم

☆☆☆

باب سوم:
حرمین شریفین کے سفرناموں کی جمع آوری

کتاب کے ساتھ خاں صاحب کا رشتہ بہت مضبوط تھا۔ جب وہ امریکہ چلے گئے تو یہ رشتہ گہرائی اختیار کرتا چلا گیا، بالخصوص حج اور عمرہ کے سفرناموں کے ساتھ ان کی دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ انہوں نے نیویارک میں اپنی ذاتی لائبریری بنانی شروع کی اور اس میں حج وعمرہ کے سفرناموں کو بھی جمع کرنے لگے۔ جو سفرنامے مطبوعہ صورت میں دستیاب نہیں تھے، ان کی عکسی نقول حاصل کرنے لگے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی مرتبہ کتاب: ''مکتوبات مشفق خواجہ بنام رفیع الدین ہاشمی'' کے صفحہ ۲۷۴ پر خاں صاحب اور ان کی لائبریری کے بارے میں حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

''عبدالوہاب خاں سلیم (پ: ۶ فروری ۱۹۳۹ء، دریاباد، ضلع بارہ بنکی، یوپی) ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۳ء تک پنجاب یونیورسٹی (لائبریری) لاہور میں کتاب دار رہے۔ ۱۹۷۳ء سے تاحال امریکا میں مقیم ہیں۔ اُردو دنیا کے حوالے سے ان کے حلقۂ احباب میں راقم جیسے گوشہ نشین شخص سے لے کر بھارت اور پاکستان کے کئی نامور ادیب اور شاعر شامل ہیں۔ کتابوں کے نہایت شائق۔ بیسیوں علمی و ادبی کتابوں کی اشاعت میں ان کی مالی اعانت شامل رہی۔ وہ احباب کو اپنی پسند کی کتابوں کے تحفے بھجوانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ بھارت اور پاکستان سے اپنی پسند کی کتابیں برابر خرید کر منگاتے رہتے ہیں۔ آپ بیتی اور سفرناموں (بطورِ خاص حج وعمرہ کے سفرناموں) کا ایسا بڑا ذخیرہ، بلا مبالغہ دنیا میں کہیں نہیں ہوگا۔ اگر کسی جائزے میں ان کا کتب خانہ امریکہ میں اُردو کا سب سے بڑا کتب خانہ قرار

دیا جائے تو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کو سلیم صاحب سے علاقہ رہا ہے، وہ ان کے خلوص و محبت، نیک نفسی اور دین داری کی شہادت دیں گے"۔

ہاشمی صاحب غالباً یہاں پر ذاتی کتب خانوں کے حوالے سے لکھ رہے ہیں۔ راقم السطور حج اور عمرہ کے سفرناموں کے بارے میں خاں صاحب کے شدید اشتیاق کا ذکر کر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں حج و عمرہ کے سفرناموں کی فہرست بنا کر بھیجیں۔ اس میں اُردو اور انگریزی کی کتب شامل ہوں۔ میں نے یہ فہرست بنا کر ان کو بھجوا دی۔ اس فہرست کو دیکھنے کے بعد انہوں نے عکسی مطبوعہ کتب کی نقول کے لیے لکھنا شروع کیا۔ بار بار خط لکھتے اور اس کام کو جلد کروانے کے لیے کہتے۔ عکسی نقول تیار کروائیں۔ ادائیگی کرنے کا بھی لکھتے۔ اپنے بھائی پروفیسر عبدالحنان [۱۰] جو اب مرحوم ہو چکے ہیں، اور برادر نسبتی قاضی ناصر الدین کے ذمہ خرچ کی ادائیگی کا کام لگاتے۔ مجھے اپنے خطوط میں ان کے لائبریری میں آنے کے بارے میں اطلاع بھی دیتے۔ اس حوالے سے ان کے مرسلہ خطوط ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ کرنا آسان ہوگا کہ وہ ان سفرناموں (بشمول دیگر کتب) کو جمع کرنے کے لیے کس پیچ و تاب سے گزر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا مطالعہ کرنے کے لیے ان کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔

خاں صاحب نے مجھے ۲ جون ۱۹۸۲ء کو ایک مکتوب ارسال کیا۔ اس میں انہوں نے "سرمایۂ اُردو" کی عکسی نقل کی وصولی کے متعلق لکھا تھا۔ یہ خط مجھے بعد میں کاغذات سے ملا۔ لیکن تاریخِ تحریر کے اعتبار سے اس کو ترتیب میں پہلے نقل کیا ہے:۔

نیویارک

۲ جون ۱۹۸۲ء

برادرم جناب شاہ صاحب!

سلامِ شوق، مزاجِ گرامی۔

امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔

لطیف رانا کی معرفت ارسال کردہ ''سرمایۂ اُردو'' (فوٹو اسٹیٹ) مل گئی ہے، جس کے لیے شکر گزار ہوں۔

گذشتہ خط میں، جو میں نے تحریر کیا تھا کہ لاہور میں سے ''سرمایہ اردو'' آ رہی ہے، وہ اور ''سرمایۂ اُردو'' ہے۔ مجھے مل گئی ہے، لیکن یہ پانچویں جماعت کے لیے ہے، جو کہ میرے لیے بیکار ہے، اصل ''سرمایہ اُردو'' مجھے یہی چاہیے تھی جو کہ آپ نے ارسال کی ہے۔ بہر کیف آپ کی عنایت سے میرا مسئلہ حل ہو گیا اور ''سرمایہ اُردو'' مجھے مل گئی۔ اب ایف۔ اے (۱۹۵۷ء)، بی۔ اے (۱۹۵۸ء) کی فارسی کی کتب اور درکار ہیں۔ ان کے لیے بھی کچھ کیجیے اور برادرم عبدالحنان سے رابطہ رکھیے۔

میری جانب سے حنیف صاحب کا بھی شکریہ ادا کر دیجیے۔

ڈاکٹر چغتائی صاحب کو بھی بتلا دیجیے گا کہ کتاب مل گئی ہے۔ ان کو بھی خط تحریر کروں گا، میرا شکریہ بھی ادا کر دیجیے۔

عزیزہ محمودہ سلطانہ کو میرا اسلام کہیے گا۔

فقط

عبدالوہاب خاں سلیم

بملاحظہ جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب،

لاہور۔

وہاب صاحب نے درج ذیل مکتوب مجھے ارسال کیا۔اس میں بیشتر اخلاقیات کی کتابوں کے متعلق تفصیل طلب کی۔

<u>نیویارک</u>

۲جون۱۹۹۱ء

بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔الحمداللہ،ہم سب بھی خیریت سے ہیں۔رضوی صاحب،ہم دونوں میاں بیوی ۱۲جون کو حج کے لیے روانہ ہورہے ہیں،آپ نیک انسان ہیں،دعافرمایئے گا کہ حق تعالیٰ حج کی مشکلات آسان فرمائے،ہمارا حج قبول فرمائے،ہم بخیریت جائیں اور بخیریت واپس آئیں،۳جولائی کونیویارک واپسی ہوگی،انشاءاللہ(حج ایک مشکل عبادت ہے)
آپ سے ایک گزارش ہے کہ مجھے اپنی ذاتی لائبریری کے لیے درج ذیل کتابوں کے اُردو تراجم درکار ہیں،ماشاء اللہ آپ اہلِ علم حضرات میں سے ہیں،کون سے تراجم بہتر ہیں،کس ناشر نے شائع کیے ہیں تاکہ میں خرید سکوں۔(رضوی صاحب!میرا یہ خط وصول

کر کے اس خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔ آپ سے ہاتھ جوڑ کر گزارش ہے کہ اس کام کو اہم سمجھیے گا۔ اور مجھے اس موضوع پر تفصیل سے خط تحریر کیجیے گا۔ میں آپ کے حق میں دعا کروں گا (انشاءاللہ)۔

۱۔ اخلاق ناصری ۲۔ اخلاق جلالی ۳۔ اخلاق محسنی

۴۔ گلستان (سعدی) ۵۔ بوستان (سعدی) ۶۔ مثنوی مولانا روم

۷۔ حکایات مثنوی مولانا روم ۸۔ رباعیاتِ عمر خیام ۹۔ کلیہ و دمنہ

۱۰۔ کیمیائے سعادت (امام غزالی) احیاء العلوم (امام غزالی)۔

دوبارہ گزارش ہے کہ اس خط کو وصول کر کے میرا یہ کام کر دیجیے گا اور مجھے تفصیل سے خط تحریر کیجیے گا۔

میری اہلیہ آپ کو اور بھابی صاحبہ کو آداب کہہ رہی ہیں۔ ہم دونوں کا سلام محمودہ سلطانہ صاحبہ کو بھی پہنچا دیجیے گا۔ فقط

عبدالوہاب

حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

مترجم کا نام اور شائع کرنے والے کا پتہ ضرور تحریر کیجیے گا، تا کہ میں ناشر کو خط لکھ کر کتابیں منگا سکوں۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاب صاحب کو علم الاخلاق اور علم تصوف کی کلاسیکی کتب سے بھی خاصا لگاؤ اور دلچسپی ہے۔

زیر نظر مکتوب میں محمودہ سلطانہ صاحبہ کا ذکر ہے۔ محترمہ لائبریری سے ڈپٹی چیف لائبریرین کی حیثیت سے ۱۹۹۵ء میں ریٹائر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو

صحت وسلامتی سے رکھے۔

وہاب صاحب نے ایک خط میں مجھے لکھا کہ میں لائبریری میں موجود حج اور عمرہ کے سفرناموں کی فہرست بنا کر بھیجوں۔ اس مکتوب کو بھی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

نیویارک

یکم ستمبر ۱۹۹۳ء

جناب شاہ صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔ چند دن ہوئے آپ کو ایک خط تحریر کیا تھا۔ ایک ضروری بات تحریر کرنا بھول گیا تھا۔

مجھے اور میری اہلیہ خورشید کو حج وعمرہ کے سفرناموں کی ایک فہرست چاہیے، جو کہ آپ کی لائبریری میں موجود ہوں (اُردو اور انگریزی)، مکمل کتابیاتی اطلاعات کے ساتھ۔ بھائی آپ یا محمودہ سلطانہ صاحبہ ہمارا یہ کام فوراً کر دیجیے گا، خط کو وصول کر کے اسی دن فہرست بنوا کر ارسال فرما دیجیے گا۔ ہم اس عنایتِ خاص کے لیے آپ کے یا محمودہ سلطانہ کے بہت احسان مند ہوں گے۔

خورشید، آپ کو اور بھابھی صاحبہ کو سلام کہہ رہی ہیں اور محمودہ سلطانہ کو بھی سلام کہہ رہی ہیں۔ آپ کے بچوں کے لیے دعائیں۔

فقط

عبدالوہاب خاں سلیم

بیگم خورشید سلیم

خاں صاحب نے ۲۰۔اکتوبر۱۹۹۳ء کو یاددہانی کے لیے ایک مکتوب ارسال کیا۔اس میں حج وعمرہ کے سفرناموں کی ایک مفصل فہرست بنانے کے لیے مجھے دوبارہ لکھا۔اس خط کو یہاں پر نقل کیا جاتا ہے:۔

نیویارک

۲۰۔اکتوبر۱۹۹۳ء

جناب بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔آپ کو ایک اہم خط حج وعمرہ کے سفرناموں کے سلسلے میں تحریر کیا تھا۔ابھی تک جواب سے محروم ہوں۔

براہ کرم خط کا جواب فوراً دیجیے گا اور حج وعمرہ کے سفرناموں کی ایک مبسوط فہرست ارسال فرما دیجیے گا۔اس عنایتِ خاص کے لیے شکر گزار ہوں گا۔

خورشید آپ دونوں کو سلام کہہ رہی ہے۔ فقط

آپ کا بھائی

عبدالوہاب خاں سلیم

میں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود حج وعمرہ کے سفرناموں کی ایک فہرست تیار کی اور اس کو ایک مکتوب کے ساتھ خاں صاحب کو ارسال کر دیا۔یہ خط ۱۷ فروری ۱۹۹۴ء کو بھیجا گیا تھا۔ان دنوں وہاب صاحب لاہور آئے ہوئے تھے۔اپنے اس مکتوب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

لاہور

۱۷۔فروری ۱۹۹۴ء

گرامی قدر خاں صاحب!

السلام علیکم۔ نیویارک سے آپ کے مرسلہ خطوط وصول ہو گئے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنی ذاتی پریشانی کی وجہ سے جواب ارسال نہ کر سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔ آپ ۱۴ فروری کو لائبریری میں تشریف لائے۔ آپ سے ملاقات مسرت کا باعث بنی۔ مطلوبہ کتب کی فوٹو کاپیاں تیار ہو گئی ہیں۔ ارض مقدس کے سفرناموں کی فہرست بھی بنا دی ہے۔ اس کی ایک کاپی آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ احتیاط کے پیشِ نظر یہ میں نے خود بنائی ہے۔ امید ہے ضروری معلومات اس سے مل جائیں گی۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

خاں صاحب! یہاں کے حالات بھی بہت تبدیل ہو گئے ہیں۔ یہ بات ذاتی حوالے سے بھی کر رہا ہوں اور گرد و پیش کے مجموعی حالات کے ناطے سے بھی۔ یہ مختصر سا مکتوب تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جب مُڑ کر پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں، تو یادِ ماضی میں ایسی اقدار نظر آتی ہیں جو اب بُری طرح شکست و ریخت کی حالت میں ہیں بلکہ کافی حد تک ٹوٹ چکی ہیں۔ وضع داری میں استقامت بہت مشکل سے نظر آتی ہے۔ بے ہنگم دوڑ نے حساس انسانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ شاید تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا سے مفر نہیں۔ یوں

محسوس ہوتا ہے کہ یہی دستورِحیات اور آئین فطرت ہے۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو ایک دوسرے شعر میں بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ہماری طرف سے تمام افرادِ خانہ کے لیے حسبِ مراتب سلام ودعائیں۔

والسلام مع الاکرام

مخلص

سید جمیل احمد رضوی

بخدمت:۔

جناب عبدالوہاب خاں سلیم صاحب،

حال مقیم لاہور۔

جب یہ فہرست وہاب صاحب نے دیکھی تو انہوں نے عکسی نقول کے لیے مجھے لکھا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے اس کام کے لیے کچھ رقم بھیجنے کا بھی لکھا تھا، لیکن میں نے اس سے اتفاق نہ کیا اور انہیں ایک متبادل تجویز دی کہ ان کے بھائی پروفیسر عبدالحنان صاحب لاہور میں ہیں، آپ ان کو عکس بندی اور جلد بندی کا خرچ

بھجوادیں۔ جتنا خرچ ہوا گا، وہ ادا کریں گے اور عکسی نقول آپ تک پہنچا دیں گے۔ وہاب صاحب نے میری اس تجویز سے اتفاق کیا۔ راقم السطور فطری طور پر رقم وصول کرنا اور اس کا حساب رکھنا خود پر بار گراں سمجھتا رہا ہے۔ یہ بہت احتیاط کا کام ہوتا ہے۔ میں خودستائی کا اظہار نہیں کر رہا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسی دولت سے نوازا ہے، جس کی کوئی قیمت نہیں یعنی قناعت۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے:۔

آن شنیدستی کہ در صحرائے غور
بار سالاری بیفتاد از ستور
گفت چشمِ تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاکِ گور

ترجمہ: تو نے وہ سنا کہ پچھلے سال غور کے جنگل میں ایک سردار گھوڑے سے گر گیا۔ اس نے کہا کہ دنیادار کی تنگ آنکھ کو یا قناعت پر کرتی ہے یا قبر کی مٹی۔

جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ خاں صاحب فروری ۱۹۹۴ء میں لاہور تشریف لائے۔ لائبریری (نیوکیمپس) میں بھی آئے۔ ان سے ملاقاتیں رہیں۔ واپس نیویارک جاکر انہوں نے مجھے ایک مکتوب ارسال کیا۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

نیویارک

۲۹ مارچ ۱۹۹۴ء

جناب بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔ الحمدللہ ہم سب یہاں بخیریت پہنچ

کر کاروبارِ حیات میں معمول حسب مصروف ہو گئے ہیں۔حق تعالیٰ کی مہربانی سے آپ سب بھی خیریت سے ہوں گے۔آپ سے لاہور میں چند ملاقاتیں ہوئیں، پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔یہ چند ملاقاتیں میرے لیے سرمایۂ حیات ہیں۔

نصیر صاحب، محمودہ صاحبہ اور دیگر احباب کو ہمارا سلام کہہ دیجیے گا۔

میرے بھائی پروفیسر عبدالحنان خاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔وہ آپ کو حج کے سفرناموں کی ایک فہرست برائے فوٹو اسٹیٹ دیں گے۔

وہ ۱۰، ۱۲ سفرناموں کی فہرست ہے۔آپ جلد از جلد فوٹو اسٹیٹ کروا دیجیے گا، اس لیے کہ وسط اپریل میں ایک صاحب لاہور آ رہے ہیں، صاحب موصوف یہ تمام یہاں نیویارک لے آئیں گے اور میں اس طرح آپ کی عنایت سے یہ تمام حج کے سفرنامے پڑھ سکوں گا۔

بھابھی صاحبہ کو آداب کہیے گا، بچوں کو پیار۔

فقط

آپ کا بھائی

عبدالوہاب خاں سلیم

خاں صاحب نے ۹ نومبر ۱۹۹۴ء کو اس سلسلے میں ایک اور خط بھیجا۔اس میں اُردو کے دس سفرناموں کی عکسی نقول کروانے کے لیے کہا۔اس کو بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

نیویارک

۹ نومبر ۱۹۹۴ء

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب!

سلامِ شوق۔ مزاج گرامی۔ آپ کی خدمت میں پہلے بھی ۲ خطوط ارسال کر چکا ہوں، لیکن حسبِ معمول جواب سے محروم ہوں۔ آپ کو جناب امیرؑ کا واسطہ میرے اس خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔

جنابِ من! مجھے تقریباً دس اُردو کے حج کے سفرناموں کی عکسی کاپیاں درکار ہیں، میرے بھائی عبدالحنان خاں صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور آپ کو فہرست دے دیں گے اور جو خرچہ ہوگا وہ ادا کر دیں گے۔ میرے مطلوبہ حج کے سفرنامے آپ کی لائبریری میں موجود ہیں۔ میں نے خود آپ کی لائبریری میں یہ سفرنامے دیکھے ہیں، آپ نے جو مجھے فہرست ارسال کی تھی، اس میں بھی یہ سفرنامے درج ہیں۔ مجھ پر خاص مہربانی کیجیے گا، عنایتِ خاص کا طلب گار ہوں۔ آپ حنان صاحب سے ملاقات کر کے، میرا یہ کام کروا دیجیے گا۔ احسان مند رہوں گا۔

اس خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔

ہم بالکل بے بال و پر ہیں، جیسے بھی ہیں، حاضر ہیں۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو تحریر فرمایئے گا۔

اہلیہ خورشید سلیم آپ کو اور بھابھی صاحبہ کو سلام عرض کر رہی ہیں۔ خط کا جواب فوراً دیجیے گا۔

فقط

آپ کا نیازمند

عبدالوہاب خاں سلیم

(نیویارک)

مجھے یاد ہے کہ خاں صاحب نے جس عظیم ہستی حضرت علی علیہ السلام کا واسطہ دے کر جواب لکھنے کا فرمایا تھا۔ میں اندر سے کانپ گیا اور خاں صاحب کے مکتوب کا جواب جلد ارسال کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ خاں صاحب کے خط کا جواب لکھنے میں اب تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

نیویارک

۲۹ نومبر ۱۹۹۴ء

جناب بھائی سید جمیل احمد صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط وصول کر کے ہم دونوں میاں بیوی کو اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ بیان سے باہر۔ حق تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ شادمان، کامران اور فرحان رکھے، آمین۔

مجھے اور میری اہلیہ کو حج وعمرہ کے سفرنامے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ اب آپ نے یہ فرمایا ہے کہ میں برادرم عبدالحنان خاں صاحب سے کہوں کہ وہ آپ سے ملیں، مطلوبہ سفرناموں کی فہرست آپ کو دیں،

آپ عکسی کاپیاں بنوائیں اور کل خرچہ حنان صاحب آپ کو دیں۔ اس طرح یہ کام ہو جائے گا۔

اب عنقریب برادرم حنان صاحب آپ کو ملیں گے۔

خورشید سلیم آپ کو اور بھابھی صاحبہ کو سلام عرض کر رہی ہیں، اور بچوں کو پیار۔

فقط

عبدالوہاب خاں سلیم

بیگم خورشید سلیم

نیویارک

۲۹ دسمبر ۱۹۹۴ء

جناب من!

سلام شوق۔ مزاج گرامی۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔

الحمدللہ ہم سب بھی خیریت سے ہیں۔

میرے چھوٹے بھائی عبدالحنان صاحب یا میرے برادر نسبتی قاضی ناصرالدین صاحب حج کے سفرناموں کی ایک فہرست آپ کے پاس لے کر آئیں گے۔ یہ سفرنامے آپ کی لائبریری میں موجود ہیں۔ براہ کرم ان سب کی عکسی کاپیاں بنوا کر اور موٹے دھاگے سے سلوا کر ان حضرات کو دے دیجیے گا۔ مکمل ادائیگی کر دیں گے، جو بھی خرچہ ہوگا۔

ایک صاحب ۲۰ جنوری کو یہاں آرہے ہیں، وہ یہ تمام یہاں لے آئیں گے۔ براہِ کرم یہ کام جلد کروا کر حنان صاحب یا قاضی صاحب کے سپرد کر دیجیے گا۔

ان عنایاتِ خاص کے لیے ہم شکر گزار رہوں گے۔

(عبدالوہاب خاں سلیم)

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب،

جامعہ پنجاب، لاہور۔

وہاب صاحب نے ۱۴۔ جنوری ۱۹۹۶ء کو نیویارک سے مجھے ایک خط ارسال کیا جس میں انہوں نے ایک سفرنامے کی عکسی نقل کے کھو جانے کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ اس کی دوبارہ عکسی نقل بنوا دیں۔ اس خط کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

نیویارک

۱۴۔ جنوری ۱۹۹۶ء

جنابِ من!

السلام علیکم۔ مزاجِ گرامی۔

سب سے پہلے ماہِ رمضان مبارک۔

الحمدللہ اب میری طبیعت کسی حد تک بہتر ہے۔ میری صحت کے لیے دعا فرمایئے گا۔ میرے چھوٹے بھائی لاہور آئے ہوئے ہیں، آپ سے ملاقات کریں گے۔

بیگمات بھوپال

اور

ڈاکٹر نور حسین صابر آف جھنگ کا سفرنامہ حج کا عکس بھی چاہیے۔ آپ کی لائبریری سے یہ سفرنامہ (عکس) میں نے حاصل کیا تھا، ایک صاحب مجھ سے پڑھنے کے لیے لے گئے، انہوں نے گم کر دیا۔ اب دوبارہ آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ جس قدر بھی ان دونوں کتابوں کے عکس کا خرچہ ہوگا۔ برادرم عبدالدیان صاحب آپ کو ادا کر دیں گے۔

آپ کی صحت کیسی ہے؟ اگر وقت ہو تو خط کا جواب دیجیے گا۔

فقط۔ خاکسار

عبدالوہاب سلیم

خاں صاحب نے عکسی نقول کے بارے میں ایک اور مختصر خط ۱۰۔ جولائی ۱۹۹۸ء کو ارسال کیا۔ یہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نیویارک

۱۰۔ جولائی ۱۹۹۸ء

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔ یہ فقیر خاکسار اور اہلیہ خورشید آپ کے حوصلہ افزاء خط کا انتظار کر رہے ہیں۔ براہِ کرم ہمارا عکس والا کام جلد از جلد کروا دیجیے گا۔ ان کتابوں کی ہمیں سخت ضرورت ہے۔

فقط

شفقتوں کے طالب

عبدالوھاب خاں سلیم

خورشید سلیم

[میری اہلیہ آپ کی بیگم کو سلام عرض کر رہی ہے اور بچوں کے لیے دعا]

حج وعمرہ کے سفرناموں کی عکسی نقول کے حوالے سے خاں صاحب نے ایک اور مکتوب ۱۹۔جولائی ۱۹۹۸ء کو بھیجا۔اس میں انہوں نے چند جملے اپنے خاص اسلوب میں لکھے۔ایسے جملے وہ دوران گفتگو خوش مزاجی میں کہہ جاتے ہیں۔اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

۱۹۔جولائی ۱۹۹۸ء

جناب من!

سلام شوق۔مزاج گرامی۔کل آپ سے فون پر بات ہوئی،طبیعت خوش ہوگئی۔حق تعالیٰ آپ سب کو شادمان ،کامران اور فرحان رکھے،آمین۔

آپ سے بہت پرانے تعلقات ہیں۔خدارا اس فقیر کی طرف توجہ فرمایئے گا اور میرا عکس والا کام (اور جلد بندی) جلد کر دیجیے گا۔شاہ جی! پہلے ہی بہت تاخیر ہوگئی ہے۔مجھے امید ہے کہ آپ میرے کام کے لیے خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

براہ کرم چند سطور تحریر فرما کر مجھے خوش کر دیجیے،بے شک تفصیل سے خط (ارسال) نہ فرمایئے،اس لیے (کہ) آپ بہت مصروف ہیں۔

آپ کی تحریر نظر نواز ہو جائے گی، مجھے حیاتِ نو ملے گی۔

اہلیہ خورشید آپ کو اور بھابھی صاحبہ کو سلام عرض کر رہی ہے، بچوں کو پیار و دعا۔

خاکسار

عبدالوہاب خاں سلیم

بملاحظہ جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب،

لاہور۔

وہاب صاحب نے اسی سلسلے میں ایک خط ۳ مئی ۱۹۹۹ء کو ارسال کیا۔ اس میں کتابوں کی عکسی نقول کا ذکر کیا۔ آخر میں ڈاکٹر منیر الدین چغتائی مرحوم کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ یہاں آئے ہوئے ہیں، ان سے بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر چغتائی صاحب سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم بہت شریف انسان تھے۔ یہاں پر ایک واقعہ کا بیان کرنا مناسب ہوگا۔ یہ غالباً ۱۹۸۰ء کے عشرے کی بات ہے۔ میں شعبہ لائبریری سائنس، جامعہ پنجاب میں جز وقتی لیکچرار تھا۔ ایک روز میں پڑھا کر واپس آنے کے لیے شعبۂ سیاسیات کے قریب سے گزر رہا تھا۔ ڈاکٹر منیر الدین چغتائی بھی اپنے شعبہ "سیاسیات" سے فارغ ہو کر باہر آ رہے تھے۔ میری ان سے ملاقات ہوئی۔ احوال پرسی کے بعد کہنے لگے کہ میں امریکہ گیا تھا۔ عبدالوہاب خاں صاحب سے ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر کہنے لگے کہ خاں صاحب نے ہماری بہت خدمت کی بطور خاص گاجر کے حلوے کا ذکر کیا اور بتایا کہ انہوں نے گھر میں یہ ڈش تیار کروائی اور ہمیں

کھلائی۔ شاید یہ بھی بتایا تھا کہ جب ہم واپس آنے لگے تو خاں صاحب ہمیں ایئرپورٹ پر چھوڑ کر گئے۔اس سے خاں صاحب کی وطن سے محبت ،اہلِ وطن سے حسنِ سلوک اور سکالرز کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس وقت چغتائی صاحب جامعہ پنجاب کے پرو وائس چانسلر کے طور پر کام بھی کر رہے تھے۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب اسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے طور پر بھی فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اب خاں صاحب کے زیرِ نظر مکتوب کو یہاں پر درج کیا جاتا ہے:۔

۳ مئی ۱۹۹۹ء

عزیز از جان برادر سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔ امیدؔ ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ خدارا مجھے خطوط کا جواب دیجیے گا اور کتابوں والا میرا کام کر دیجیے گا۔ میرے گذشتہ خطوط دیکھ لیجیے گا،ان خطوط میں کتابوں کے نام درج ہیں۔ یہ خاکسار آپ سے عقیدت رکھتا ہے، مجھ پر شفقت فرمایئے گا۔

ڈاکٹر منیر الدین چغتائی صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں،ان سے گفتگو ہوتی رہتی ہے، آپ کا بھی ذکر رہا۔ موصوف اپنی بیٹیوں کے پاس آئے ہوئے ہیں۔

فقط

خاکسار

عبدالوہاب خاں سلیم

جب یہ خط لکھا گیا اس سے پہلے ڈاکٹر صاحب ریٹائر ہو چکے تھے۔ چند ماہ امریکہ میں گزارنے کے بعد جب لاہور واپس آئے تو کسی کام کے سلسلے میں لائبریری میں بھی تشریف لائے تھے۔ میرے دفتر میں بھی آئے اور اپنے امریکہ کے قیام کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

زیرِ نظر سفرناموں کی عکسی نقول وغیرہ کرانے میں کئی سال لگ گئے۔ بالفاظ دیگر یہ کام طویل وقفوں سے ہوتا رہا۔ میرے پاس خاں صاحب کے جو خطوط محفوظ ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرصہ ۱۹۹۴ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک پھیلا ہوا ہے۔ عکس بندی اور جلد بندی کا کام کرانے میرے ذمے رہا اور ان پر اٹھنے والے خرچ کی ادائیگی کی ذمہ داری ہمیشہ ان کے کسی عزیز نے اٹھائی۔ ان کی ترسیل کا کام بھی ان کے اعزہ واقرباء ہی کرتے رہے۔ وہاب صاحب نے ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو مجھے ایک خط ارسال کیا۔ اس میں وہ عکسی نقول کی وصولی اور پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مکتوب بہت خوشگوار ماحول میں لکھا گیا ہے۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

<u>نیو یارک</u>

۱۲۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء

جناب بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔ اس لمحہ آپ کو خصوصی طور پر یاد کر رہا ہوں۔

آپ کے ارسال کردہ حج کے سفرناموں کی عکسی کاپیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہیں۔ میں سب پڑھ چکا ہوں اور اپنی ذاتی لائبریری

میں، مَیں نے یہ سفرنامے محفوظ کر لیے ہیں۔

ان سفرناموں کو پڑھ کر میرے علم میں بہت اضافہ ہوا۔ یہ سب کچھ آپ کی عنایاتِ خاص کی وجہ سے ہے۔

حق تعالیٰ آپ کو ہمیشہ شادمان، کامران (اور) فرحان رکھے، صحت منداور توانا رکھے، دینی اور دنیاوی طور پر سرفراز فرمائے، آمین۔

چند سفرنامے باقی رہ گئے تھے۔ ان سفرناموں کی عکسی کاپیاں بھی درکار ہیں، انشاء اللہ کسی دن ان چند سفرناموں (حج کے سفرنامے) کی مختصر فہرست اور روپیہ ارسال کروں گا۔ مجھ پر خصوصی توجہ فرماتے ہوئے یہ کام بھی کروادیجیے گا۔

اہلیہ خورشید بیگم، آپ کواور بھابھی صاحبہ کوسلام کہہ رہی ہیں۔ فقط

آپ کا بھائی

عبدالوہاب خاں سلیم

اسی حوالے سے خاں صاحب نے راقم السطور کوایک اور طویل خط ارسال کیا۔ اس کو پڑھ کر ان کی بے تابی اور بے قراری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو ان کو سفرناموں کے حصول کے لیے رہتی تھی۔ مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب نگار پر بقول علامہ اقبالؒ ''سوز وسازِ رومی'' اور ''پیچ وتاب رازی'' کی سی کیفیت طاری ہے۔ ہر لمحہ یہی فکر دامنگیر ہے کہ حج کے مطلوبہ سفرناموں کی عکسی نقول مل جائیں تاکہ ان کا مطالعہ کیا جاسکے۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ کام فوری طور پر ہونا چاہیے۔ جس معاشرے میں وہ رہ رہے ہیں، وہاں زندگی کے معمولات میں تیز رفتاری کا چلن ہے

اور ہمارے ہاں شہر آشوب کی سی کیفیت، الختصر اس مکتوب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء

عزیز بھائی اور حبیبِ من سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی۔ امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ تمام اہل خانہ بھی خوش و خرم ہوں گے۔

جناب من، میں بہت پریشان ہوں، کیا کروں؟ خدارا مجھ پر حسبِ معمول شفقت فرمایئے، عنایت فرمایئے اور میرا یہ فوٹو اسٹیٹ والا کام کر دیجیے گا۔

مجھے درج ذیل کتابوں کا عکس چاہیے، میرا ان کتابوں کے بغیر تمام کام رکا پڑا ہے۔ یہ کتابیں آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں، آپ کی ارسال کردہ فہرست میں سے انتخاب کی ہیں۔ فہرست میں موجود دیگر کتب میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔

ان کتابوں کا عکس بنوا دیجیے گا، اعلیٰ جلد بندی بھی کروا دیجیے گا۔ تمام خرچہ الف سے لے کر ی (تک) ادا کر دوں گا، آپ عکس بنوانا شروع کیجیے گا۔ روپیہ آپ کو ارسال کر دوں یا کسی صاحب کو دے دوں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ جلدی کے پیش نظر آپ کام شروع کروایئے گا، بے شک تھوڑا سا روپیہ آپ کی جیب سے خرچ ہو، اس دوران میرے کوئی عزیز یا دوست آپ سے مل کر روپیہ دے دیں گے۔

قصہ مختصر یہ کام جلد کروا دیجیے گا۔

اگر یہ خط آپ کو جلد مل جائے۔ براہ کرم اسلم صاحب (پروفیسر محمد اسلم صاحب) سے رابطہ کر لیجیے گا، اس خط کو وصول کر کے براہ کرم مجھے فوراً خط لکھیے گا، تا کہ مجھے سکون ہو جائے کہ آپ کو میرا خط مل گیا ہے اور آپ نے میرا شروع کروا دیا ہے تمام عمر احسان مندر ہوں گا۔ (پہلے بھی احسان مند ہوں)۔

1. Wavell, A.J.B. A Modern Pilgrim in Mecca and a Siege in Sana.
2. Rutter, Eldon. The Holy Cities of Arabia. Vol.1 & Vol.2.
3. Niebuhr, M.Travels Through Arabia. Vol.1 and vol.2.
4. Syed Idries Shah. Destination Mecca.

۵۔ محمد عبدالرحیم۔ سفر حرمین شریفین وذکر مدینہ۔ بنگلور: مطبع شوکت الاسلام، ۱۹۱۱ء۔

۶۔ محمد عرفان الدین۔ باغ قاب قوسین المعروف سفرنامہ حرمین الشریفین۔ لاہور: مطبع گلزار ہند، ۱۳۳۲ھ۔

فقط

خاکسار

عبدالوہاب خاں سلیم

حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

ضروری: عزیز بھائی، خط کا جواب جلد دیجیے گا، مجھے آپ کی مصروفیات کا علم ہے۔ اسی مصروفیت سے وقت نکال کر فوراً جواب دیجیے گا، کچھ میرا بھی حق ہے، آپ پر اور آپ کے وقت پر۔

خادم خاص

عبدالوہاب خاں سلیم

راقم السطور اس دور میں (از ۱۹۹۵ء تا ۲۰۰۱ء) چیف لائبریرین کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ دفتری مصروفیت بہت رہتی تھی۔ خاں صاحب تو برق رفتاری سے خطوط لکھتے تھے۔ میں ان کے خطوط کا جواب اس تیز رفتاری کے ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ جواب ضرور دیتا تھا خواہ دیر سے۔ اس کی وضاحت بھی کرتا تھا۔ خاں صاحب کو ارسال کیے گئے کئی خطوط کی نقول میرے پاس موجود ہیں۔ ۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء کے خط کا جواب میں نے ۳۔ اگست ۱۹۹۸ء کو ارسال کیا۔ چاہتا ہوں کہ اس خط کو یہاں پر نقل کر دوں تا کہ قارئین کرام کو علم ہو سکے کہ راقم السطور خاں صاحب کے خطوط کے جوابات ضروری تلاش و جستجو کے بعد بھیجتا تھا۔

لاہور

۳۔ اگست ۱۹۹۸ء

گرامی قدر خاں صاحب!

السلام علیکم۔ آج آپ نے نیویارک سے دس بارہ منٹ تک فون پر بات کی۔ یاد آوری کا شکریہ۔ انسانی فطرت ہے کہ ''یادِ ماضی'' کا

تصور اچھا لگتا ہے۔ آپ کے الفاظ میں اب تو ”شام زندگی“ ہے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ارضی شر سے محفوظ رکھے اور خاتمہ بالخیر
کرے۔ آپ کی گفتگو تو ہمیشہ ہی دلچسپ ہوتی ہے۔ بات سے بات
پیدا کرتے ہیں۔ شاید آپ کا زیادہ وقت ارض مقدس کے سفرنامے
پڑھنے میں صرف ہوتا ہے۔ ان کے حصول کے لیے بھی آپ شب وروز
مصروف رہتے ہیں بلکہ شب بیداری کرتے ہیں تاکہ ان کو حاصل کیا جا
سکے۔ اس حوالے سے آپ کے مکاتیب بھی مجھے ملتے رہتے ہیں۔
۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء کے مکتوب کے حوالے سے لکھ رہا ہوں کہ درج ذیل
تین کتابوں کی فوٹو کاپی سلیم صدیقی صاحب آپ کے لیے بنوالیں
گے۔ آج وہ آئیں گے۔

1. Rutter, Eldon.The Holy Cities of Arabia.
   2 vols.
2. Niebuhr, M.Travels Through Arabia.
   2 vols.
3. Syed Idries Shah. Destination Mecca.

جو انگریزی کتاب نہیں ملی، اس کا عنوان درج ذیل ہے:۔

1. Wavell, A.J.B. A Modern Pilgrim of Arabia
   and a Siege in Sana.

اُردو کی ایک کتاب ملی ہے۔ فوٹو کاپی کروانے سے اس کو نقصان پہنچ

جائے گا۔

اس کا عنوان یہ ہے:۔

۱۔ محمد عبدالرحیم ۔ سفر حرمین شریفین و ذکر مدینہ ۔ بنگلور: مطبع شوکت الاسلام، ۱۹۱۱ء۔

اُردو کی دوسری کتاب نہیں ملی ۔ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

۱۔ محمد عرفان الدین ۔ باغ قاب قوسین المعروف سفرنامہ حرمین الشریفین ۔ لاہور: مطبع گلزار ہند، ۱۳۳۲ھ۔

آپ کا ذکر پرانے رفقاء سے ہوتا رہتا ہے ۔ انوار الحق قریشی صاحب، نصیر احمد صاحب، محترمہ محمودہ سلطانہ، خالد جاوید صاحب [۱۱] محمد صدیق صاحب [۱۲] ان سب سے باتیں ہوتی ہیں اور آپ کا ''ذکر جمیل'' موضوع گفتگو بھی رہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت نوازا ہے ۔ آج آپ نے فون پر بجا فرمایا ہے کہ اعمال کا انحصار نیت پر ہوتا ہے: ''انما الاعمال بالنیات'' ۔ نیک نیتی کا پھل خداوند عالم نے آپ کو دیا ہے ۔ پاکستان اور پاکستانیوں کے لیے بھی دعا کیا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو مضبوط سے مضبوط تر بنائے، یہاں خوش حالی کا دور دورہ ہو، امن و امان کی صورتِ احوال بہتر ہو، اور معاشرتی اقدار بھی اچھی ہوں ۔ بے چینی کی کیفیت ختم ہو جائے ۔ ہمارے معاشی اور معاشرتی حالات بہتر ہوں ۔ آپ کی حاضری ''بیت اللہ'' میں ہوتی رہتی ہے ۔ ضرور دعا کیجیے گا۔

خط کافی طویل ہو گیا ہے۔ اس کے لیے میں خوش ہوں کہ آپ کے ارشاد کی تعمیل ہو گئی۔

بیگم صاحبہ کو ہمارا سلام کہیئے گا۔ بچوں کے لیے دعائیں۔ والسلام۔

آپ کا مخلص

سید جمیل احمد رضوی

بملاحظہ:۔

عبدالوہاب خاں سلیم صاحب،

نیویارک۔۱۱۲۰۴ (یو۔ایس۔اے)

خاں صاحب نے جون ۱۹۹۸ء کے آخر میں فون پر بات کی تھی۔ گفتگو کا مرکزی نکتہ سفرناموں کی عکسی نقول تھیں۔ اس کا اظہار انہوں نے یکم جولائی ۱۹۹۸ء کے مکتوب میں کیا۔ اس میں بھی اسی بیتابی کا اظہار کرتے ہیں جس کا ذکر پہلے مکتوب میں ہو چکا ہے۔ آخر میں پروفیسر محمد اسلم (م ۱۹۹۸ء) کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب کے ساتھ ان کا قریبی تعلق تھا۔ وہ شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں استاد تھے اور خاں صاحب لائبریری میں کام کرتے تھے۔ اُس وقت سے ان کا قریبی رابطہ تھا۔ پروفیسر صاحب سے میری پہلی ملاقات لائبریری میں خاں صاحب کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ خاں صاحب نے ہی ان کا تعارف کرایا تھا۔ بعد میں ان کا میرے ساتھ بھی علمی رابطہ رہا۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ (م ۱۷۔نومبر ۱۹۹۹ء) کے ذخیرۂ کتب (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کی فہرست کی جلد اوّل پروفیسر صاحب نے مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور سے ۱۹۹۶ء میں شائع کی تھی۔ اس

وقت اکیڈمی کے امور کی نگرانی ان کے ذمے تھی۔ یہ خاکسار نے مرتب کی تھی۔

پروفیسر صاحب کا علمی رابطہ حکیم محمد موسیٰ صاحبؒ سے بھی قریبی تھا۔ ان کے مطب پر جاتے رہتے تھے۔ میری ان سے وہاں ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔ [۱۳]

بات کا رخ دوسری جانب ہو گیا۔ ہاں، خاں صاحب کے مکتوب کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس خط کو بھی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

نیویارک

یکم جولائی ۱۹۹۸ء

عزیز از جان بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

سلامِ شوق۔ مزاج گرامی۔ کل آپ سے فون پر بات ہوئی، طبیعت خوش ہو گئی۔ الحمدللہ۔

براہ کرم میرا کتابوں کے عکس والا کام جلد کروا دیجیے گا۔ یہ کتابیں میرے لیے بہت اہم ہیں، مجھ فقیر پر حسبِ معمول شفقت فرمایئے گا۔

پروفیسر سلیم صدیقی صاحب تمام خرچہ ادا کر دیں گے۔ خدارا مجھے جازت دیجیے، میں ۵، ۱۰ (پانچ، دس) ہزار روپے برائے عکس مطلوبہ کتب آپ کو ارسال کر دوں۔ ابھی مجھے چند کتابیں اور بھی عکس کرانی ہیں۔ جب آپ یہ آٹھ کتابیں عکس کرا لیں گے، میں چند کتابوں کے نام آپ کو ارسال کروں گا۔

عکس کروا کر تمام کتابوں کی اعلیٰ جلد بندی بھی کروا دیجیے گا، نہایت ہی اعلیٰ جلد، خرچہ خواہ کتنا بھی ہو، سلیم صدیقی صاحب سب خرچہ ادا کر دیں

گے، میں ان کو یہاں سے روپیہ ارسال کردوں گا۔ سلیم صدیقی صاحب کا گھر کا فون نمبر یہ ہے: ۸۴۱۶۹۹ ۷۔ براہ کرم آپ سلیم صدیقی صاحب سے فون پر رابطہ رکھیے گا۔ خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔

پروفیسر اسلم صاحب سے فون پر بات ہوتی رہتی ہے۔ آپ کا بھی ذکر رہتا ہے۔ آج کل اپنے بیٹے کے پاس شکاگو میں ہیں۔ اگست کے پہلے ہفتہ میں نیویارک آئیں گے، میرے فقیر خانہ پر قیام ہوگا۔

سب کو دعا و سلام۔ فقط

خاکسار

عبدالوہاب خاں سلیم

خاں صاحب نے ایک مکتوب ۴۔ اگست ۱۹۹۸ء کو مجھے ارسال کیا۔ لفافے پر بروکلن Brooklyn کے ڈاک خانہ کی مہر اور تاریخ درج ہے۔ خط پر تاریخ نہیں لکھی گئی۔ یہ دراصل کسی پاکستانی اُردو اخبار کا تراشہ ہے جس میں بی بی سی کی ایک رپورٹ میں پاکستان کی لائبریریوں کی عمومی صورت حال کا ذکر ہے۔ یہ دراصل ذاتی کتب خانوں کی زبوں حالی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے: ''پاکستان میں لائبریریوں کی جگہ دودھ دہی کی دکانیں کھل گئیں''۔ یہ خبر غالباً آنہ لائبریریوں کے متعلق ہے۔ اس تراشہ کے حاشیہ پر یہ خط بھی تحریر کیا گیا ہے:۔

شاہ جی!

سلامِ شوق۔ مزاج گرامی۔ کل آپ سے فون پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ یہاں رات کا ایک بجا تھا۔ آپ کے یہاں دس گیارہ صبح کے تھے،

اور بارش ہو رہی تھی، ایک پاکستانی اخبار کا تراشہ ارسال خدمت ہے۔
براہ کرم میرا کام عکس والا جلد کروا دیجیے گا۔ ہر کتاب کی اعلیٰ جلد بندی
بھی کروا دیجیے گا۔

فقط

خاکسار

عبدالوہاب خاں سلیم

اسی تراشہ پر یہ بھی تحریر کرتے ہیں:۔
یہ فقیر آپ کو اکثر یاد کرتا ہے۔اب شامِ زندگی ہے، خدا جانے آپ کو
دیکھ سکوں گا یا نہیں؟ الحمدللہ آپ کی آواز سن لیتا ہوں، اور اپنی طبیعت
خوش کر لیتا ہوں۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نیویارک میں ہیں، آپ کا
سلام پہنچا دیا ہے۔
عقیل میاں اور بیٹی کو ہم دونوں (یہ فقیر اور اہلیہ خورشید) کی طرف
سے بہت بہت دعائیں اور پیار۔

عقیل احمد سلمہ، راقم السطور کے بیٹے کا نام ہے۔ خاں صاحب جب فون پر بات کرتے ہیں تو عزیز عقیل احمد سلمہ، کا ضرور پوچھتے ہیں۔ اس کو بھی دعائیں دیتے ہیں۔ بیٹی (فاخرہ زھراء سلمھا اللہ) کے متعلق بھی پوچھتے ہیں اور اس کو بھی دعائیں دیتے ہیں۔ ان کی دعائیں ہمارے لیے باعث برکت ہیں۔ جو دعا خلوصِ دل سے دی جاتی ہے، وہ ضرور اثر رکھتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

خاں صاحب نے ویول Wavell کی کتاب کے بارے میں اپنے مکتوب مورخہ ۱۶۔ستمبر ۱۹۹۸ء میں دوبارہ لکھا کہ یہ کتاب غلط جگہ پر رکھی گئی ہوگی، اس کو تلاش کروائیں۔لاہور کے دیگر کتب خانوں میں بھی تلاش کروانے کا مشورہ دیا۔اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

۱۶ستمبر ۱۹۹۸ء

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب!

سلام شوق۔مزاج گرامی:۔

اس سے پیشتر بھی خطوط ارسالِ خدمت کرچکا ہوں۔

Wavell,A.J.B. کی کتاب: A Modern Pilgrim in Mecca and a Siege in Sana عزیز بھائی یہ کتاب مجھے بہت ہی ضروری چاہیے۔خدارا مجھ پر حسبِ معمول شفقت فرماتے ہوئے اس کتاب کو تلاش کروا کر، عکس بنوا کر ارسال کردیجیے گا۔جس قدر خرچہ ہوگا ادا کردوں گا۔آپ کی لائبریری میں یہ کتاب ہے۔میرا خیال ہے کہ غلط جگہ پر رکھی گئی ہے۔خصوصی طور پر تلاش کروایئے گا، انشاء اللہ مل جائے گی۔

اگر ممکن ہو سکے لاہور کے مختلف کتب خانوں میں بھی تلاش کروالیجیے گا۔ان سب عنایات کے لیے احسان مند رہوں گا۔

اس خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔شکریہ۔(سلیم صدیقی صاحب اس
کی عکس بندی اور جلد کا خرچہ ادا کر دیں گے)۔فقط

آپ کا اپنا

عبدالوہاب خاں سلیم

میں نے اپنے مکتوب محررہ ۳۔اگست ۱۹۹۸ء میں وہاب صاحب کو لکھا تھا کہ
یہ کتاب لائبریری میں نہیں ملی۔مذکورہ مکتوب میں تاکید کے ساتھ دوبارہ تلاش
کروانے کا لکھا ہے، بلکہ لاہور کے دوسرے کتب خانوں سے بھی معلوم کرنے کے
لیے تحریر کیا ہے۔اس سے ان کی شدید طلبِ صادق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حج وعمرہ کے سفرناموں کی عکسی نقول کے متعلق خاں صاحب کے خطوط نقل کیے
گئے ہیں۔ان کی دلچسپی کا ایک اور شعبہ خودنوشت سوانح عمری (Autobigraphy)
ہے۔انہوں نے مجھے ۴۔نومبر ۱۹۹۹ء کو ایک مکتوب لکھا جس میں لائبریری میں موجود
خودنوشت سوانح کی فہرست بنا کر ارسال کرنے کا کہا اور یہ بھی تحریر کیا کہ یہ میرے لیے
بہت ضروری ہے۔ان کا یہ مکتوب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

نیویارک

۴۔نومبر ۱۹۹۹ء

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب!

سلامِ شوق۔مزاج گرامی۔امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں
گے۔الحمدللہ ہم تینوں —— یہ خاکسار، اہلیہ خورشید سلیم اور بیٹی

رفعت سلیم عمرہ کی ادائیگی کے بعد ماہ اکتوبر میں نیویارک آ گئے تھے۔

آپ سب کے لیے حرم شریف میں دعا کی ہے، حق تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے، آمین۔

شاہ جی، آپ میرے خطوط کا جواب نہیں دیتے، مجھے اس چیز کا بہت افسوس ہے۔ اس فقیر کو آپ سے عقیدت ہے۔ بسا اوقات ناخوشگوار امور برداشت کرنے پڑتے ہیں —— یہ فقیر آپ کو گاہے بگاہے خطوط تحریر کرتا رہے گا۔

جناب من، میرا ایک کام کر دیجیے گا اور ضرور کیجیے گا۔ یونیورسٹی لائبریری میں موجود اُردو میں جو خودنوشت (Autobigraphy) تحریر کی گئی ہیں، ان کی ایک فہرست مرتب کروا کر مجھے ارسال کر دیجیے گا۔ یہ میرے لیے بہت ضروری ہے۔

ہنگاموں میں زندگی (خودنوشت) از مشتاق احمد وجدی اور ۳۶ برس (چھتیس برس) (خودنوشت) از ایم۔ ایم حسن۔ کیا یہ دونوں کتابیں آپ کے ذخیرۂ کتب میں ہیں؟

سب کو سلام و دعا۔ فقط۔

آپ کا اپنا

عبدالوہاب خاں سلیم

اس خط میں تو خاں صاحب نے لائبریری میں موجود خودنوشت سوانح کی فہرست مرتب کرنے کے لیے لکھا ہے، لیکن اس سلسلے میں ان کا آخری مکتوب جو

میرے ریکارڈ میں موجود ہے۔ وہ یکم جون ۲۰۰۰ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے فہرست کے موضوعات کو خاصی وسعت دے دی اور اس خط میں شامل موضوعات پر فہرست مرتب کرنے کا لکھا ہے۔ خط کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کی دلچسپی کے موضوعات بہت وسیع ہو گئے ہیں۔ اس مکتوب کو یہاں پر نقل کیا جاتا ہے۔

یکم جون ۲۰۰۰ء

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب!

سلام شوق۔ مزاج گرامی۔

پرسوں آپ سے فون پر گفتگو ہوئی۔ طبیعت خوش ہو گئی۔ گذشتہ دنوں آپ کا خط ملا تھا، اس کا جواب تحریر کر دیا تھا۔ حیران ہوں کہ آپ کو میرا وہ خط ابھی تک کیوں نہیں ملا۔

بہر حال خط دفتر میں تلاش کروایئے گا۔

میرے عزیز بھائی! خدا تعالیٰ کا واسطہ، رسول کریم ﷺ کا واسطہ اور جناب امیرؑ کا واسطہ میرا کام کر دیجیے گا۔ نئے حج و عمرہ کے سفرناموں کی فہرست جو کہ لائبریری میں آئے ہیں، عام سفرنامے، خودنوشت، شخصی خاکے، روزنامچے، ڈائریز، رپورتاژ۔ ان سب کی ایک مکمل فہرست تیار کروا کر مجھے ارسال کروا دیجیے گا۔ اس کام کے لیے شکر گزار ہی نہیں احسان مند رہوں گا۔ اس خط کی وصولی کی اطلاع دیجیے گا۔ آپ سب کے لیے حرم شریف میں دعائے خیر کروں گا اور آپ

سب کا سلام حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ انشاءاللہ۔

فقط

آپ کا اپنا

عبدالوہاب خاں سلیم

اس مکتوب کے آخری جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر خلوص اور شفقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ ہم سب کے لیے حرم شریف میں دعا کرنے کا لکھ رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمارا سلام پیش کرنے کے حوالے سے بھی تحریر کر رہے ہیں۔ یہ پرخلوص جذبات خاں صاحب کے خطوط میں ہی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت وسلامتی سے رکھے۔

خاں صاحب نے ۲۸۔ جولائی ۲۰۰۴ء کو مکہ مکرمہ سے مجھے ایک مکتوب ارسال کیا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ ان کی حرمین شریفین میں ۴۴ اویں حاضری ہے۔ یہ بھی تحریر کیا کہ حرم شریف میں آپ سب کے لیے دعا کرتے ہیں۔ دعا کے بارے میں رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: " الدعا سلاح المومن و عماد الدین و نور السموت و لارض " "یعنی دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔ خاں صاحب کی کرم فرمائیوں کا کس طرح شکریہ ادا کیا جا سکتا ہے کہ وہ حرم شریف میں بیٹھ کر اس خاکسار اور اس کے افراد خانہ کے حق میں دعا کرتے ہیں اور روضۂ حضورؐ پر ہمارا سلام پیش کرنے کا لکھتے ہیں۔ اس مکتوب کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

مکہ المکرم

۲۸۔ جولائی ۲۰۰۲ء

بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب!

سلامِ شوق۔ مزاج گرمی۔ الحمدللہ ہم دونوں مکہ شریف میں حاضر ہیں۔ عمرہ کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں۔ حرم شریف میں آپ سب کے لیے دعا کرتے ہیں۔ آپ ہمارے عزیز بھائی اور دوست ہیں۔ حق تعالیٰ آپ سب کو خوش و خرم رکھے۔ شاد باد اور آباد رکھے، آمین۔ جب ہم مدینہ جائیں گے، حضور ﷺ کے روضہ شریف پر آپ سب کا سلام عرض کردیں گے۔ کبھی نیویارک خط لکھ کر اپنی خیریت کی اطلاع دیجیے گا۔ میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب، کس منہ سے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں۔ یہ ہم دونوں کی ۱۴۔ ویں حاضری ہے۔ حق تعالیٰ تمام حاضریوں کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

آپ کا

عبدالوہاب خاں سلیم

اس مکتوب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ حج و عمرہ کے سفرنامے حاصل کرنے اور جمع کرنے کے لیے کیوں اتنے بیقرار رہتے تھے۔ انہوں نے ان سفرناموں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اپنے گھر میں جمع کر رکھا ہے۔ یہاں پر اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مجھے فون پر بتایا کہ جون، جولائی ۲۰۱۱ء میں ان کی حرمین شریفین میں ۲۳ ویں حاضری ہوئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم

ہے۔خاں صاحب کتابدار رہے ہیں۔لائبریرین کے خصائص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''وہ کتابوں کو جانتا ہو، کتابوں سے محبت کرتا ہو اور کتابیں لکھتا ہو''۔خاں صاحب اپنے پیشے (لائبریرین شپ) کی وجہ سے کتابوں کو جانتے ہیں اور یقیناً ان سے محبت کرتے ہیں۔کتاب دراصل اپنے سینے میں علم کو محفوظ رکھتی ہے اور آنے والی نسلوں تک اس کو پہنچاتی ہے۔یہ وہ وسیلہ ہے جو علم کی نشرواشاعت کا کام کرتا ہے۔دین اسلام کا تو مرکزی نکتہ ہی کتاب یعنی قرآن مجید ہے۔علم ایک نور ہے جو معاشرے میں روشنی پھیلاتا ہے۔خاں صاحب علم دوستی اور معارف پروری کرتے ہیں۔قلم کاروں کی کتابیں چھپوانے میں ان کی مالی مدد کرتے ہیں۔مطبوعہ کتابوں کے متعدد نسخے خریدتے ہیں اور پھر ان کو اپنے ان احباب کو بطور تحفہ بھجواتے ہیں جو ان سے استفادہ کرسکتے ہیں۔اس طرح ان کے احباب کے ذاتی کتب خانوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔کتاب کی خوشبو پھیلتی ہے اور ماحول کو معطر کردیتی ہے۔بھارت اور پاکستان کے بہت سے قلم کار اور علم دوست سکالر ان کے حلقۂ احباب میں شامل ہیں۔وہ سب ان کرم فرمائیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔آخر خاں صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں؟ دولت مند تو بہت سے لوگ ہیں، ان سب کے نصیب میں ایسی سعادت کیوں نہیں؟ خاں صاحب شب وروز اسی کارِ خیر کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔وہ دولت اور مال کو اس کارِ خیر کے لیے کیوں صرف کرنے میں مصروف رہتے ہیں؟ اگر اس کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو میرے رائے میں وہ اس راز کو پاگئے ہیں کہ دنیا کا مال تو ڈھلتا ہوا سایہ ہے، کبھی اِدھر ہوتا ہے اور کبھی اُدھر، لیکن

علم کو بقا حاصل ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے یہ دو شعر اس پر خوبصورت انداز سے روشنی ڈالتے ہیں:۔

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علم و للاعداء مال
فان المال یفنی عن قریبٍ
و ان العلم باق لایزال

ترجمہ: ''ہمارے حق میں خدائے جبار نے جو حصہ رکھا، اس پر ہم راضی ہیں۔ ہمارے لیے علم اور دشمنوں کے لیے مال (ہے)۔
اس لیے کہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا''۔

علم کی فضیلت کو کسی خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ قلم بھی اسی طرح علم کو پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ قلم کاروں کی کتابیں چھپوانے کے لیے مالی امداد کرنا گویا علم کی نشر و اشاعت کرنا ہے۔ قلم کی فضیلت کے بارے میں چند فارسی اشعار یہاں پر نقل کیے جاتے ہیں:۔

قلم سرّیست ز اسرار الٰہی
از و یک نقطہ از ماہ تا ماہی
قلم فیضِ کمالِ ہر وجود است
قلم قسمت کنِ آن بحرجود است
قلم رمزی ز امرکن فکان است
قلم سرِ دفتر کون و مکان است

قلم مقبول آن شاہ ازل شد
ازان مالک بملک لم یزل شد
قلم یمحو و یثبت را بیان است
بہ نوکش بستہ کارِ دو جہان است

ترجمہ:

۱۔ قلم اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ بلندی سے پستی تک جو کچھ ہے اس کے ایک ہی نقطہ سے ہے۔

۲۔ قلم کا فیض ہر وجود کا کمال ہے۔ قلم اس کی سخاوت کے سمندر کا تقسیم کرنے والا ہے۔

۳۔ قلم امر کن فکان کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ قلم کون و مکان کے دفتر میں سرفہرست ہے یعنی سب سے پہلے ہے۔

۴۔ قلم اس شاہ ازل کی بارگاہ میں مقبول ہوا۔ اس لیے کہ اس کا مالک خود لم یزل ہوا۔

۵۔ قلم یمحو و یثبت کا بیان ہے، کیوں کہ اس کی نوک سے دونوں جہانوں کے کام وابستہ ہیں۔ [۱۴]

قرآن مجید میں قلم کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

نٓ والقلم و ما یسطرون (القلم ۶۸:۱)

"ن۔ قلم اور جو (اہلِ قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم"۔

اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے:

"ما انت بنعمۃ ربک بمجنون (القلم ۶۸:۲)

کہ (اے محمد ﷺ) تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو"۔

جس چیز کی اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے، اس کی عظمت کتنی بلند ہوگی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ان دو آیات کے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں (یہ تفسیری حواشی قرآن مجید ترجمہ مولانا محمود الحسن پر موجود ہیں):۔

"آج آپ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے۔ لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء و دوام کی مہر ثبت کی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان نہ چھوڑا۔ قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ ﷺ کے ذکرِ خیر اور آپ ﷺ کے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی۔ اور آپ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہے گا۔ ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ ﷺ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجتماعی عقیدہ کے قبول کرے گی۔ بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نُور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا، کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون و مفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے شوشہ کو مٹا

سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو، پرلے درجے کا مجنون یا جاہل ہے''۔

اس تفسیری حاشیہ کے اقتباس سے قلم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ جو قلم کار قلم کا استعمال کارِ خیر کے لیے کرتا ہے اور اپنی تحریر کو شائع کروا کر اس کا افادۂ عام کرتا ہے، وہ بھی قابلِ قدر کام کرتا ہے اور جو مخیّر اور جودوسخا والا ہاتھ اس کام کو شائع کروانے میں مالی تعاون کرتا ہے، وہ بھی یقیناً قابلِ ستائش ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ خاں صاحب کئی ادیبوں اور قلم کاروں کی تالیفات وتصنیفات کو شائع کروانے کے لیے مالی تعاون کرتے رہے ہیں اور اب بھی کررہے ہیں۔ اس اعتبار سے خاں صاحب کا یہ عمل تحسین وتوصیف کا مستحق ہے۔

☆☆☆

باب چہارم:

کتابوں کے انتسابات

خاں صاحب کے خطوط کے علاوہ اب تک اس تحریر کا غالب رنگ تاثراتی رہا ہے۔اب یہاں پر وہ اقتباسات دیے جاتے ہیں جو دوسرے دانشوروں کے خاں صاحب کے بارے میں ہیں۔ بہت سی کتب کا انتساب خاں صاحب کے نام ہے اور میرے علم کے مطابق چند کا انتساب خورشید سلیم (اہلیہ عبدالوہاب خاں سلیم صاحب) کے نام ہے۔ پہلے ان کے نام ایک انتساب کو یہاں پر نقل کیا جاتا ہے۔کتاب لالۂ و گل از ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی مطبوعہ علی گڑھ (۲۰۰۹ء) کا انتساب اس طرح ہے۔

محترمہ خورشید سلیم کے نام

جن کا گھر

حج کے سفرناموں سے مملوٴ ومنور

جن کا گھر

علمی وادبی روایات کا مستقر بھی

اللہ!

اس گھر کی حفاظت فرما

اصحابِ خانہ کو قرار عطا فرما

اور رب البیت کے حبِّ رسولؐ میں اضافہ فرما

(صفحہ۔۳)

دوسرا انتساب کتاب بعنوان: ''مولانا حمید الدین فراہی ___ مفسرومحقق'' از ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، مطبوعہ قرآنک ریسرچ سنٹر، کبیر کالونی، علی گڑھ (۲۰۰۸ء) کا ہے۔اس کو نیچے نقل کیا جاتا ہے:۔

ایک ایسی ذات کے نام:

جسے سیرتِ پاک سے عشق ہے

جسے اسلامیات سے، عقیدت ہے

جسے اُردو ادب سے محبت ہے

جسے اربابِ قلم سے شیفتگی ہے

اے اللہ!

ایسے جلیل القدر کو حیات خضر عطا فرما

ایسے پیارے شخص کا نام نامی:

عبدالوہاب خاں سلیم ہے

جسے اللہ نے قلبِ سلیم سے نوازا ہے

جو نیویارک میں بیٹھ کر غم کے ماروں کو

فسانۂ محبت سناتا رہتا ہے۔

(صفحہ۔۳)

تیسرا انتساب کتاب: ''مکاتیبِ رشید حسن خاں بنام رفیع الدین ہاشمی''، مرتبہ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، مطبوعہ ادبیات، لاہور (۲۰۰۹ء) کا ہے۔اس کو ملاحظہ کیجیے:۔

رشید حسن خاں

کے ایک مدّاح اور نیاز مند

عبدالوہاب خاں سلیم

(نیویارک)

کے نام

انتساب والے صفحہ پر رشید حسن خاں کی یہ تحریر بھی دی گئی ہے:۔

محبی عبدالوہاب خاں سلیم کی ہمت افزائی نے بھی بہت مدد کی، وہ مسلسل فون کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں اور یوں ہمت ٹوٹنے نہیں پاتی۔

_____ رشید حسن خاں

چوتھا انتساب کتاب بعنوان: ''سرسید کا سفرنامہ، مسافرانِ لندن، مع تازہ اضافوں، مقدمہ، فرہنگ اور تعلیقات، مرتبہ اصغر عباس، مطبوعہ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ (۲۰۰۹ء) کا ہے۔ یہ نہایت مختصر ہے:۔

عبدالوہاب خاں سلیم کے نام

(نیویارک)

(صفحہ۔۳)

ایک اور انتساب کتاب بعنوان: ''کاملان تھانیسر (تھانیسر کے شعراء، ادباء، مشائخ، مجاہدین آزادی اور علماء کا مستند تذکرہ وتاریخ) از ڈاکٹر محمد عامر الصمدانی، شائع کردہ مرکز ادب وتحقیق اسلامی، علیگڑھ۔ (یو۔پی) میں ہے۔اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

جناب الحاج عبدالوہاب خاں سلیم کے نام

ترے خلوصِ مسلسل کی نذر کرتا ہوں

یہ چند ورق جنہیں حرفِ ناسزا کہیے

(صفحہ۔۵)

ایک اور انتساب کتاب: زٹل نامہ [کلیات جعفر زٹلی]، مرتبہ رشید حسن خاں، میں ہے۔ یہ کتاب دہلی میں مرتب نے ۲۰۰۳ء میں شائع کی۔ انتساب نہایت مختصر ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

محبّی مکرم الحاج عبدالوہاب خاں سلیم

کے نام

خاں صاحب کی تحفۃً بھجوائی ہوئی کتب میں سے مجھے یہ انتسابات مل سکے جو خورشید سلیم اور عبدالوہاب خاں سلیم کے نام ہیں۔ آخری انتساب کی معلومات ان صفحات کی عکسی نقول سے ملیں جو خاں صاحب نے مجھے بھجوائی تھیں۔ بعد میں خاں صاحب نے اور کتب بھی بھجوائیں۔ ان کے انتسابات کو بھی شامل کر دیا ہے۔

نامور محقق، سکالر اور کتابوں سے محبت کرنے والے محمد عالم مختار حق صاحب نے بتایا کہ ان کے پاس ایک کتاب بعنوان: اُردو میں حج کے سفرنامے از ڈاکٹر محمد شہاب الدین پہنچی ہے۔ اس کو یونیورسل بک ہاؤس، علی گڑھ نے شائع کیا ہے۔ اس پر سالِ اشاعت درج نہیں ہے۔ اس کا انتساب بھی عبدالوہاب خاں سلیم اور بیگم خورشید سلیم کے نام ہے۔ انتساب کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

انتساب

سفرناموں کے شائق

محترم عبدالوہاب خاں سلیم اور محترمہ خورشید سلیم

(نیویارک، امریکہ)

کے نام

(صفحہ۔۳)

ہمامنان بٹ کی کتاب بعنوان: ''پروفیسر نسیم فاطمہ: شخصیت اور کام''، لائبریری پروموشن بیورو، کراچی نے ۲۰۱۰ء میں شائع کی۔اس کا انتساب جن شخصیات کے نام ہے، ان میں سے پہلا نام خاں صاحب کا ہے۔انتساب کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

انتساب

کتاب خواں، کتاب دوست، کتاب دار

محمد عبدلوہاب خاں سلیم

ڈاکٹر غنی الاکرم سبزواری

اور اپنے والدین

صبیحہ منان اور عبدالمنان بٹ

کے نام

جن کی دعاؤں کے طفیل کتاب کی تکمیل ممکن ہوئی۔

(صفحہ۔ج)

محمد اکرام چغتائی کی کتاب: ''مطالعۂ آزاد (مجموعہ مقالات)'' دی ٹروتھ سوسائٹی لاہور کی جانب سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی۔اس کا انتساب بھی خاں صاحب کے نام ہے۔انتساب کے الفاظ یہ ہیں:۔

اپنے دیرینہ دوست، معروف علم دوست اور علم پرور شخصیت

الحاج عبدالوہاب سلیم

کے نام

(صفحہ۔۳)

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی کی کتاب: ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں (جلد سوم)، ۲۰۱۰ء میں ادارہ قرطاس کراچی نے شائع کی۔اس کا انتساب بھی عبدالوہاب خاں سلیم کے نام ہے۔اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

انتساب

نادیدہ مہربان عبدالوہاب خاں سلیم صاحب

کے نام

جو اپنے ہر عمرے میں میری اور میری اہلیہ مرحومہ کی مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں۔

کبیر احمد جائسی

سید معراج جامی کا سفرنامہ برطانیہ بعنوان: ''انگلستان خدا کی شان [سفرنامہ برطانیہ]'' ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔اس کے ناشر کا عنوان اس طرح لکھا ہے: یورپین اُردو رائٹرز سوسائٹی، لیوٹن/لندن، ناشر کے ذرا اوپر والی دو سطور میں یہ اطلاع بھی فراہم کی گئی ہے: بہ اشتراک: بزمِ تخلیق ادب پاکستان، پوسٹ بکس نمبر ۱۷۶۶۷، کراچی۔۷۵۰۰۔اس کتاب کا انتساب بھی وہاب صاحب کے نام ہے۔اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

انتساب

سفرنامے کے شوقین، ادب دوست اور ادیب پرور

عبدالوہاب خاں سلیم صاحب

کے ممنون کرتا ہوں

(صفحہ۔۵)

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر کی کتاب: ''شعوبیت۔ایک مطالعہ'' ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کو ادارۂ قرطاس نے شائع کیا۔اس (ناشر) کا پورا پتہ یوں لکھا ہے: قرطاس، فلیٹ نمبر ۲ پہلی منزل، عثمان پلازا، بلاک بی۔۱۳، گلشن اقبال، کراچی۔ ۷۵۳۰۰۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ اس ادارے کا نام ''قرطاس'' اس عربی کے معروف شعر سے استفادہ کرتے ہوئے رکھا گیا۔عنوانی صفحہ سے پہلے صفحہ پر یہ شعر اور اس کا اُردو ترجمہ دیا ہے۔عربی اور فارسی کے مخطوطات پر یہ شعر اوّل یا آخر میں اکثر ملتا ہے۔اس کو ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

یلُوحُ الخطُّ فی القرطاس دھرا

و کاتبہ رمیم فی التراب

(تحریر کاغذ (قرطاس) میں عرصہ تک چمکتی رہتی ہے جب کہ اسے لکھنے والا مرکر مٹی میں بوسیدہ ہو جاتا ہے)۔

اس کتاب کا انتساب خاں صاحب اور ان کی اہلیہ کے نام ہے۔الفاظ یہ ہیں:۔

انتساب

عبدالوہاب خاں سلیم صاحب

اور

خورشید صاحبہ

کی علمی فعالیت کے نام

نگار

(صفحہ۔۵)

شعوبیت کی اصطلاح بہت علمی نوعیت کی ہے۔ڈاکٹر نگار صاحبہ نے کتاب کے شروع میں اس کے ابتدائیہ، میں اس کی تعریف دی ہے۔عام استفادہ کے لیے اس کو نیچے نقل کیا جاتا ہے:۔

پہلی ،دوسری اور تیسری صدی ہجری کی سیاسی ،تہذیبی، علمی وادبی تاریخ کے مطالعہ کے دوران ہمیں ایک ایسے رجحان کا سامنا کرنا پڑتا ہے جسے ''شعوبیت'' کہا جاتا ہے۔شعوبیت کی عام فہم تعریف یہ ہے کہ عربوں کی مذمت کرنا اور ہر معاملہ میں ان کی تنقیص کرنا۔ شعوبیت نے کب جنم لیا، کس طرح اس کا نشوو ارتقاء ہوا، مسلمانوں کی تاریخ وتہذیب ،ادب و سیاست پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ، یہ زیرِ نظر تحقیقی مقالہ کا موضوع ہے۔

(صفحہ۔۹)

ڈاکٹر مشیر احمد کی کتاب: ''خطوط غالب کے ادبی محاسن'' گورکھپور (انڈیا) سے ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔اس کے ناشر خود مصنف ہیں۔ یہ ان کی پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے جسے ترمیم کر کے کتابی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔اس کا انتساب بھی وہاب صاحب کے نام ہے۔انتساب کے الفاظ یہ ہیں:۔

انتساب

مشفق ومحترم

الحاج عبدالوہاب خاں سلیم

(نیویارک)

کے نام

(صفحہ۔۷)

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔ اس کے تقسیم کار یہ ہیں:

☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔۲۰۲۰۰۲

☆ ادبی مرکز، اُردو بازار، جامع مسجد، گورکھپور۔۲۷۳۰۰۱

☆ مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔۲۰۲۰۰۲

☆ شاہد پبلیکشن، ۲۲۵۳، ریشم اسٹریٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۲

السیر سید احمد خان: حیاتہ وافکارہ، عربی زبان میں سرسید احمد خان کے بارے میں کتاب ہے جس کو الدکتور محمد صلاح الدین العمری نے تالیف کیا۔ اس کو مؤلف نے ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔ ناشر نے اپنا نام اور پتہ اس طرح دیا ہے:۔

(الاستاذ) محمد صلاح الدین العمري

قسم اللغة العربية وآدابها

جامعة علي كره الاسلامية

علی کرہ۔۲۰۲۰۰۲ (الھند)

اس کا انتساب خاں صاحب کے نام ہے۔ انتساب کی عبارت اس طرح لکھی ہے:۔

الاھداء الی

الشخصیۃ النبیلۃ

السید عبدالوہاب خاں سلیم

حفظہ اللہ ورعاہ۔۔۔

الذی مھد لی سبیل اصدار ھذہ الطبعۃ المنقحۃ الکتاب

محمد صلاح الدین العمري

(صفحہ۔۳)

ایک اور کتاب بعنوان: ''مختار نامہ، پروفیسر مختارالدین احمد کے مقالات و تصانیف کا موضوعاتی ووضاحتی اشاریہ'' ۲۰۰۲ء میں علی گڑھ سے شائع ہوئی۔اس کے مرتبین ڈاکٹر عطا خورشید و مہرالٰہی ندیم (علیگ) ہیں۔اس کے ناشر کا نام علی گڑھ ہیریٹج پبلیکیشنز ہے۔اس کا انتساب بھی وہاب صاحب کے نام ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

انتساب

الحاج عبدالوہاب خاں سلیم صاحب

(حال مقیم نیویارک، امریکہ)

کے نام

جن کی علم دوستی، تحریک اور گرانقدر تعاون سے

یہ پیشکش منظر عام پر آئی

(صفحہ۔۳)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی کتاب: نایاب ہیں ہم'' (مخلصین ومفکرین ادارۂ سرسید)'' ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی۔اس کو شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ نے شائع کیا۔اس کا انتساب خاں صاحب کی بیٹی ڈاکٹر ثروت سلیم صاحبہ کے نام ہے۔اس میں عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کا نام بھی آیا ہے۔اس بنا پر زیر حوالہ انتساب کی عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

انتساب

محترمہ ڈاکٹر ثروت سلیم صاحبہ کے نام

جو ایک مہذب مثقف اور محبی باپ عبدالوہاب خاں سلیم کی بیٹی ہیں

باپ اور بیٹی دونوں کی شریانوں میں حب رسولؐ رواں ہے

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ

دونوں ادارۂ سرسید پر جان وتن سے نثار ہیں

مقام شکر ہے کہ

یہ عدیم المثال باپ اور عدیم النظیر بیٹی کتنوں کے لیے

چراغ راہ اور راحت جاں بنے ہوئے ہیں۔

(صفحہ۔۳)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے ''نیر تاباں'' کے عنوان کے تحت ایک کتاب لکھی۔ یہ اصلاحی علماء اور مدرستہ الاصلاح کے دیگر متعلقین کے خاکوں پر مشتمل ہے۔ اس کو ۲۰۱۱ء میں شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، یوپی (انڈیا) نے شائع کیا۔اس کا انتساب بھی عبدالوہاب خاں سلیم کے نام ہے۔ مصنف نے انتساب کو ان الفاظ میں

لکھا ہے:۔

انتساب

عبدالوہاب خاں سلیم

عاشقِ رسول ﷺ

علم دوست

مجموعۂ شرافت

حاملِ روایات

اور

خیال خاطرِ احباب

کی

تصویر کامل

(صفحہ۔۳)

علامہ ابی جعفر محمد ابن حبیب بغدادی (م ۲۴۵ھ) کی کتاب المحبّر، رویۃ ابی سعید حسن بن حُسین السکّری کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کیا۔ اس پر نظر ثانی و تہذیب کا کام ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر نے کیا۔ اس کو ادارہ قرطاس، کراچی نے ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔ اس کا انتساب وہاب صاحب کے نام ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

انتساب:

جناب عبدالوہاب خاں سلیم

کے جذبہ علم پروری کے نام

(صفحہ۔۵)

وقار مانوی کا مجموعۂ کلام بعنوان: ''وقارِ غزل (پانچواں شعری مجموعہ)'' ۲۰۱۲ء میں دہلی سے مصنف (محمد ظہیر) قلمی نام: وقار مانوی نے شائع کیا۔ یہ کتاب اُردو اکادمی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔ اس کا انتساب پانچ اشعار کی صورت میں عبدالوہاب خاں سلیم کے نام ہے۔ اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

انتساب

ہمدم و مونس و حبیب مرے
دور رہ کر جو ہیں قریب مرے
جن کی علم و ادب نوازی کا
عام ہے ہند و پاک میں چرچا
اُدباء جن پہ ناز کرتے ہیں
اُن کا دم صبح و شام بھرتے ہیں
وہ ہیں عبدالوہاب خاں سلیم
اِن دنوں نیویارک میں ہیں مقیم
خود کو یوں شاد کام کرتا ہوں
انتساب ان کے نام کرتا ہوں

وقار مانوی (صفحہ۔۳)

مولوی محمد سمیع اللہ خاں کا سفرنامہ بعنوان: ''مسافرانِ لندن، مع تازہ

اضافوں، مقدمہ اور تعلیقات'' کے ساتھ اصغر عباس نے مرتب کیا۔ یہ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ کی جانب سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔ اس کا انتساب بھی خاں صاحب کے نام ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

انتساب

عبدالوہاب خاں سلیم (نیویارک)

کے نام

(صفحہ۔۳)

اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت بھی دی گئی ہے:۔

''سرسید تحریک کے رکن رکین مولوی سمیع اللہ خاں کا سفرنامہ''۔

☆☆☆

باب پنجم:

دانش وروں کی آراء

اب خاں صاحب کے بارے میں دانشوروں کی آراء سے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگا: ''کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا''۔ یہ دانشور پاک و ہند کے ہیں۔ جن لوگوں نے عبدالوہاب خاں سلیم کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں کام کیا ہے۔ وہ ان آراء کو پڑھ کر شاید سمجھ سکیں کہ خاں صاحب کے اندر کا انسان امریکہ جا کر ظاہر ہوا۔ اوائلِ عمر کے زمانے میں بھی ان کے اندر وہ صفات چھپی ہوئی تھیں، لیکن حالات کی سنگینی نے ان کو واضح طور پر ظاہر ہونے کا موقع نہ دیا۔ ایک بار فون پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے خاں صاحب سے کہا کہ انسان کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک جہت اس کے باطن میں ہوتی ہے اور دوسری ظاہر میں۔ ظاہری جہت کو ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق دیکھتا ہے، لیکن باطنی جہت کا دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اہلِ نظر باطنی جہت کو اشاروں سے کسی حد تک سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خاں صاحب نے میری اس توجیہ سے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ اس کو پسند بھی کیا۔ وہ خاں صاحب جو لاہور میں رہائش پذیر تھے اور وہ خاں صاحب جو نیویارک کے باسی ہیں۔ ان دونوں میں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے بالخصوص ان رفقائے کار کے لیے جو ان کے ساتھ لائبریری مین کام کرتے تھے۔ میری خوش بختی ہے کہ مجھے خاں صاحب کی ان دو جہتوں کا ایک حد تک مطالعہ کا موقع ملا۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

خاں صاحب کے بارے میں دانشوروں کی آراء جن کتابوں سے پیش کی جارہی ہیں، ان کو سالِ طباعت کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔

پہلا اقتباس ''مختار نامہ'' سے ہے۔ اس کے مرتبین ڈاکٹر عطا خورشید (و) مہر الٰہی ندیم ہیں۔ اس کتاب کا پورا عنوان یہ ہے: ''مختار نامہ، پروفیسر مختار الدین احمد

کے مقالات وتصانیف کا موضوعاتی ووضاحتی اشاریہ''۔اس میں خاں صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ یہ زیرعنوان: ''کچھ اس اشاریہ سے متعلق'' کے آخر میں درج کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔شکریہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

اس اشاریہ کی تیاری کے لئے مختار الدین احمد صاحب کے ایک قدر دان اور مخلص، علم دوست شخصیت جناب عبدالوہاب خاں سلیم (حال مقیم امریکہ) بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ یہ اشاریہ موصوف کی خصوصی ذاتی دلچسپی سے منظرِ عام پر آرہا ہے (صفحہ۔۳۶)

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر اپنے سفرنامے'' دشتِ امکان (سفرنامہ نجد و حجاز)''، مطبوعہ قرطاس (۲۰۰۳ء) میں خاں صاحب کے متعلق لکھتی ہیں:۔

عبدالوہاب صاحب کو تحریری طور پر میں گزشتہ ایک سال سے جانتی تھی۔ یہ ۱۵۔ جولائی ۱۹۹۹ء کی بات ہے، جب میں دو ماہ کی چھٹیاں ریاض میں گزار کر واپس کراچی پہنچی، اسی دن یونیورسٹی گئی تو دو ماہ کی کئی کلو کی ڈاک جمع تھی، اس ڈاک کو دیکھنے میں میرے چار دن لگ گئے، اس میں ۲۵۔ مئی ۱۹۹۹ء کا لکھا ہوا وہاب صاحب کا خط معہ پچاس ڈالر کا چیک بھی موجود تھا۔ میں ان صاحب کو بالکل نہیں جانتی تھی۔ انہوں نے اس خط میں جو اپنا تعارف کرایا اس سے پتہ چلا کہ وہاں صاحب پاکستانی، امریکن ہیں۔ ان کا تعلق مراد آباد اور بجنور وغیرہ سے تھا۔ تقسیم کے بعد پاکستان آئے اور گزشتہ تیس سال سے امریکہ میں آباد ہیں۔ بیوی، بچے اور بچوں کے بچے سب امریکی

شہریت کے حامل ہیں۔ بچے کاروبارِ حیات میں مصروف ہیں اور وہ خود ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ مطالعہ ان کا شوق ہے اور کتابیں خرید کر پڑھتے ہیں، اس وجہ سے نیویارک، امریکہ میں ان کا اپنا ذاتی کتب خانہ ہے۔ جہاں پانچ ہزار سے زائد کتابیں ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کا کوئی ایسا اہم علمی اور ادبی رسالہ یا جریدہ نہیں ہے جو ان کے پاس نہ آتا ہو۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حج وعمرہ کے سفرناموں کا جتنا بڑا ذخیرہ انہوں نے دیارِ غیر (یعنی نیویارک) میں زرِ کثیر خرچ کر کے جمع کرلیا ہے اتنا بڑا ذخیرہ کسی کے پاس نہیں ہوگا۔ یہ خط بھی انہوں نے میرے سفرنامے ''دشت امکاں'' کے حصول کی غرض سے لکھا تھا اور اس کی قیمت (۵۰ ڈالر کا چیک) بھیجی تھی۔ یہ کراچی یونیورسٹی کے طلبائے قدیم میں سے بھی ہیں۔

مجھے اپنی کتاب ''دشت امکان'' روانہ کرنے میں کچھ تاخیر ہوگئی، کیونکہ دو ماہ بعد اپنے شہر، گھر اور یونیورسٹی میں واپسی ہوئی تھی۔ دو ماہ کے کاموں کا انبار تھا، اس دوران ان کے لگاتار دو تین خطوط آگئے کتاب کہاں ہے؟ میں ان کے جذبہ طلب سے بڑی متاثر ہوئی اور کتاب بذریعہ رجسٹری انہیں امریکہ روانہ کردی۔ اس کے بعد ان سے خط وکتابت کا سلسلہ چل نکلا، بعد میں یہ میرے بڑے بھائی شاہد مستقیم (مقیم نیویارک) کے دوست نکلے، ان کے ایک عزیز ڈاکٹر سہیل مقبول کی بہن میری بھابھی شاہین (شاہد کی بیوی) کی

کلاس فیلونکلیں، پھر تو واقفیتوں اور شناسائیوں کا یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ ہندوستان کے اہل علم طبقہ میں میرے سفرنامے کو پہنچوانا، سلیم صاحب کا ہی کارنامہ ہے۔ انہوں نے دشتِ امکاں کے متعدد نسخے خرید کر ہندوستان اور پاکستان میں بکھرے ہوئے اپنے دوست و احباب، جوسب کے سب علم دوست حضرات ہیں کو بھجوائے، یوں میری کتاب کا پہلا ایڈیشن چند ماہ میں ختم ہوگیا۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہاب صاحب رہتے تو نیویارک میں ہیں، لیکن ہندوستان اور پاکستان میں ایسی زبردست علمی حرکت شروع کررکھی ہے گویا یہیں رہتے ہوں۔ جوں جوں شناسائی بڑھتی گئی پتہ چلا کہ ہندوستان اور پاکستان میں متعدد کتابیں انہوں نے اپنے خرچ پر چھپوائیں ہیں، یہاں کئی بچے ان کی وجہ سے تعلیم حاصل کررہے ہیں، کہیں کسی کا گرا ہوا گھر تعمیر کرادیتے ہیں، زیادہ نہیں لکھوں گی، کہیں ان کی نیکیاں ضائع نہ ہوجائیں۔ صدقہ وخیرات کے کام پوشیدہ ہی اچھے لگتے ہیں۔

ان کی ایک خوش بختی یہ ہے کہ تقریباً ہر سال بیوی بچوں کے ساتھ عمرہ کرنے آتے ہیں۔ ۲۰۰۰ء کے عمرے میں میری ان سے ملاقات ہوئی تھی (صفحہ۔۲۵۳۔۲۵۴)

تیسرا اقتباس کتاب بعنوان: ''کاملانِ تھانیسر (تھانیسر کے شعراء ادباء، مشائخ، مجاہدین آزادی اور علماء کا مستند تذکرہ وتاریخ'') از ڈاکٹر محمد عامر الصمدانی سے

ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں خاں صاحب کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے محسن جناب الحاج عبدالوہاب خاں سلیم مدظلہ العالی کا ذکر نہ کروں جن کے اوصافِ حمیدہ وعنایاتِ خاصہ کا مختصر طور پر ذکر کرنے کے لیے بھی ایک قصیدہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن ان کی بے نفسی کا خیال کرتے ہوئے بالآخر میں یہی کہتا ہوں کہ تند و تیز حالات میں ان کی رہبری سے جتنا میں محظوظ ہوا ہوں، اس کو اختصار سے بیان کرنے کے لیے بھی میرے پاس الفاظ نہیں، صدیق مکرم جناب عدنان خلیل صاحب کا اصرار ہے کہ میرا ذکر اظہار تشکر کے لیے نہ کیا جائے، میں نے کہا: آپ کا حکم سر آنکھوں پر! لیکن مجھے اپنی کتاب مکمل کرنی ہے، جو میرے خیال میں ان ناموں کے بغیر نامکمل رہے گی: جناب الحاج عبدالوہاب خاں سلیم اور عدنان خلیل۔ (صفحہ: xix - xviii)

چوتھا اقتباس زٹل نامہ [کلیاتِ جعفر زٹلیؒ] مرتبہ رشید حسن خاں (۲۰۰۳ء) سے ہے۔ مرتب صفحہ۔ ۵۰ پر لکھتے ہیں:۔

جناب عبدالوہاب خاں سلیم کا بہ طور خاص ممنون اور شکر گزار ہوں، جن کی کتاب دوستی نے تکمیل اشاعت کے سب سے زیادہ مشکل مرحلے کو آسان بنانے میں مدد کی۔ محبؒ صادق الوداد ڈاکٹر خلیق انجم میرے غم گسار ہیں، اُن کی کارسازی نے بھی اس سلسلے میں بہت

کچھ کیا۔ ان دونوں حضرات کے تعاون کے بغیر تکمیلِ اشاعت کی مشکلوں کو میں تو کسی طرح بھی حل نہیں کر سکتا تھا۔

ڈاکٹر مسکین علی حجازی (م ۱۸ جنوری ۲۰۰۹ء) شعبہ صحافت (موجودہ ابلاغیات) جامعہ پنجاب میں استاد تھے۔ لائبریری میں آتے اور خاں صاحب سے مل کر جلدی سے چلے جاتے۔ وہ بیٹھتے نہیں تھے۔ ان کے خاں صاحب سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر وحید قریشی (م ۲۰۰۹ء) کے زیرِ نگرانی پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ مکمل کیا تھا۔ بعد میں اس شعبہ کے چیئرمین ہو گئے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد الخیر یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات (واقع نزد برکت مارکیٹ، لاہور) میں بیٹھتے تھے۔ اس یونیورسٹی میں ان کے ذمے اہم فرائض تھے۔ راقم السطور سے ڈاکٹر صاحب کی وہاں بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بہت حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آتے۔ نہایت شریف انسان تھے۔ وہ امریکہ گئے۔ بعد میں انہوں نے اپنا سفرنامہ لکھا۔ اس کا عنوان ہے: ''ڈالر کے دیس میں، سفرنامہ''۔ یہ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں خاں صاحب کا ذکر بہت قریبی دوست کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ اقتباس درج ذیل ہے:۔

> عبدالوہاب خاں ایثار و خلوص کا مجسمہ ہیں۔ ان سے دوستی بلکہ بھائی بندی اس وقت سے ہے جب وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے منسلک تھے۔ معاملہ دکھ درد میں شرکت والا تھا۔ انہوں نے ہمت کر کے امریکہ جانے کا راستہ نکالا۔ نیویارک میں کام ڈھونڈ لیا۔ پھر بیوی بچوں کو بھی وہاں لے گئے۔ بچوں کو امریکہ میں جدید ترین تعلیم

دلوائی ہے۔ انجینئرنگ اور میڈیکل سائنس کی، لیکن ان کو امریکہ کی ہوا نہیں لگنے دی۔ ان میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کی بڑی بیٹی ایک سال کی تھی تو اس کی تصویر میرے توسط سے ایک اخبار میں چھپی۔۔۔ وہی بچی اب دو پیاری سی بچیوں، کائنات اور تعبیر کی ماں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گھرانے کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ امریکہ جائیں تو عبدالوہاب خاں صاحب سے ملاقات لازمی امر ہے اور ملاقات کی صورت بھی یہ کہ ایک دو دن ان کے ساتھ گزارے جائیں۔ ایک تو اس لیے کہ وہاب صاحب اور ان کی بیگم کی طرح بچے بھی چاہت والے ہیں۔ ان کے ہاں بیٹھ کر گھنٹوں ماضی کی باتیں ہوتی ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ ان کے ہاں حفیظ الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ حفیظ صاحب عبدالوہاب خاں صاحب کی دریافت ہیں۔ گذشتہ دس پندرہ سال سے نیویارک میں ہیں اور نیویارک ایکسپرٹ ہیں۔ ہر ہوائی اڈہ کے ہر ٹرمینل، سب وے (زمین دوز ریلوے) کے ہر اسٹیشن اور نیویارک کے ہر علاقے کے ہر محلّہ سے واقف ہیں۔ اگر مختصر ترین وقت میں نیویارک کو زیادہ سے زیادہ دیکھنا ہو تو اس کے لیے حفیظ الرحمٰن صاحب سے زیادہ موزوں گائیڈ کوئی نہیں۔ گذشتہ سفر میں پہلی بار ان سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ہمیں نیویارک دکھانے کے لیے دفتر سے چھٹی لے لی ہے، وہاب صاحب اور ان میں یہ گویا قدرِ مشترک ہے۔

مصروف ترین لوگوں کے دیس میں دوستوں کے لیے دفتر اور گھر سے چھٹی لینا بڑے دل گردے کا کام ہے (صفحہ۔۱۳۰۔۱۳۱)

ڈاکٹر مسکین علی حجازی خاں صاحب کی کتابوں کی جمع آواری کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

۔۔۔عبدالوہاب خاں کچھ عرصہ پنجاب یونیورسٹی (لائبریری) میں بطور لائبریرین کام کرتے رہے۔کتابیں جمع کرنا اوران کو حفاظت سے رکھنا ان کی عادتِ ثانیہ بن گئی ہے۔پاکستان سے آنے والے تمام دوستوں سے ایک ہی فرمائش کرتے ہیں کتابیں لیتے آنا۔اب تو انہوں نے نیویارک میں آباد بھارتیوں میں بھی ایسے لوگ تلاش کرلیے ہیں جو انہیں بھارت سے اُردو کتابیں منگوا دیں یا بھیج دیں۔انہیں مطلوبہ کتاب مل جائے۔کسی بھی قیمت پر۔۔۔واقفانِ حال کا کہنا ہے کہ ان کی کمائی کا خاصہ حصہ اُردو کتابوں اور اخبارات ورسائل پر خرچ ہوتا ہے۔اگر پوچھیں تو کہتے ہیں:'' کیا کروں مطالعہ کے بغیر مجھے نیند نہیں آتی''۔(صفحہ۔۱۳۱۔۱۳۲)

ڈاکٹر سلیم اختر کی خودنوشت بعنوان:'' نشان جگر سوختہ (آپ بیتی)'' ۲۰۰۵ء میں سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور کی جانب سے شائع ہوئی۔اس میں وہ وہاب صاحب کا ذکر'' دوست دلنواز'' کے تحت کرتے ہیں۔اس سے ایک اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری نے عبدالوہاب خاں سلیم جیسا محبت کرنے والا دوست بھی دیا۔ہمارے سیشن کے بعد اگلے سیشن میں

عبدالوہاب خاں نے داخلہ لیا اور پہلی ملاقات ہی پائیدار دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ وہاب نے لائبریری سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یونیورسٹی لائبریری ہی میں ملازمت کرلی۔ میں اس کا سرپرست اور رازدار تھا۔ زندگی کے ہر اہم فیصلہ میں مجھ سے مشورہ کرتا۔ وہ آج بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کی شادی (جو ثمردار ثابت ہوئی) میں نے کرائی تھی۔ کیسے؟ یہ نہ پوچھیے (ہماری) بھابھی خورشید کی صورت میں سلیقہ شعار اور محبت کرنے والی جو بیوی ملی وہ صحیح معنوں میں جیون ساتھی ثابت ہوئی۔

سیماب صفت وہاب کے لیے لائبریری تنگنائے تھی۔ سو اس نے پرواز کی ٹھانی، امریکہ گیا، پیسہ کمایا، نام بنایا اور اب اس کی اولادیں بذاتِ خود اعلیٰ مقام کی حامل ہیں۔ وہاب اور خورشید بھابھی متعدد حج اور عمروں کی سعادت حاصل کرچکے ہیں۔ وہاب نیویارک میں آباد ہے مگر دل پاکستان میں دھڑکتا ہے۔ اسے اُردو زبان و ادب سے عشق اور اُردو ادیبوں سے محبت ہے۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ وہاب پاک و ہند کے تمام نامور اہلِ قلم سے ٹیلی فون پر رابطہ بلکہ مسلسل رابطہ رکھتا ہے۔ چنانچہ مشفق خواجہ (کراچی)، رشید حسن خاں (دلّی) اور اسلوب احمد انصاری (علی گڑھ) سب اسی زلف کے اسیر ہوئے۔ اسے پاک و ہند کی مطبوعات و جرائد کے بارے میں، ہم مقامی لوگوں کے بارے میں کہیں زیادہ معلومات، اس حد

تک کہ عبدالوہاب خاں سلیم نے اب نیویارک میں اُردو زبان وادب کے ایک نخلستان کی صورت اختیار کرلی ہے۔اس کے پاس نادر اور کمیاب کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔

وہاب ان لوگوں میں سے ہے جن کی سرشت میں پیار اور خلوص ہوتا ہے۔وہ چاہے بھی تو برعکس رویہ نہیں اپنا سکتا۔۔۔(صفحہ۔۱۴۱)

اشاریہ معارف اعظم گڑھ (جولائی ۱۹۱۶ء تا جون ۲۰۰۵ء)، مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ، مرتبہ محمد سہیل شفیق زیر نگرانی ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر، ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔اس کو ادارہ قرطاس نے کراچی سے شائع کیا۔یہ انتہائی اہم حوالے کی کتاب ہے۔پرانے رسالوں کی مکمل فائل کو حاصل کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔مرتب اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اب بھی دو شمارے ایسے تھے جو کراچی تو کیا (میری ناقص معلومات کے مطابق) پاکستان میں بھی موجود نہ تھے۔

آخر کار محترم جناب عبدالوہاب خاں سلیم (مقیم امریکہ) جو علم دوست بھی ہیں اور علم پرور بھی۔ان سے اس سلسلے میں رابطہ کیا گیا تو انہوں (نے) فوری طور پر اعظم گڑھ (انڈیا)، مدیر محترم جناب ضیاء الدین اصلاحی صاحب سے رابطہ کر کے وہ شمارے بہم پہنچائے جس کے لیے میں خصوصی طور پر جناب عبدالوہاب خاں سلیم، جناب ضیاء الدین اصلاحی صاحب اور ان کے صاحبزادے جناب سلیم جاوید کا ممنون کرم ہوں (صفحہ۔۸)

مرتب اسی کتاب کے صفحہ ۔۹ پر مزید لکھتے ہیں :۔

الحمدللہ کئی لوگوں نے اشاریے کی تیاری کے دوران ہی اس سے استفادہ کیا۔ میں اسے معارف کی برکات سمجھتا ہوں کہ اس کام کے دوران بہت اہل علم حضرات سے علمی وقلمی رابطہ قائم ہوا۔ اب تک کراچی میں معارف کا نوے سالہ ریکارڈ کہیں موجود نہیں تھا۔ اب محترم جناب عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کے خصوصی تعاون سے " گوشہ عبدالوہاب خاں سلیم، شعبۂ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی" میں جلد ہی معارف کا ریکارڈ مکمل ہو جائے گا (انشاءاللہ) اور تشنگانِ علم اس سے بھر پور استفادہ کر سکیں گے۔

یہ اقتباس کتاب بعنوان: سرسید ہاؤس کے ماہ وسال (بعد از سید محمود)، از پروفیسر افتخار عالم خاں، مطبوعہ مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، شائع کردہ مصنف (۲۰۰۸ء) سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں مصنف نے وہاب صاحب کے اس دلی تعلق کو ظاہر کیا ہے جو ان کو سرسید، اُردو اور علی گڑھ سے ہے۔ لکھتے ہیں:۔

مجروح سلطان پوری کا ایک شعر ہے:۔

روک سکتا ہمیں زندانِ بلا کیا مجروح
ہم تو آواز ہیں دیوار سے چھن جاتے ہیں

مجھے یہ شعر اس لیے یاد آیا کہ دیوار سے چھننے کے بجائے آج کل (فاصلوں کی قید وبند کو توڑ کر) ٹیلی فون سے چھن کر بہت سی آوازیں نہ جانے کہاں کہاں سے ہم تک پہنچتی رہتی ہیں۔ ایسی ہی ایک آواز

میرے پاس اکثر نیویارک سے آتی رہتی ہے۔ ہم لوگ آپس میں صورت آشنا نہ ہو کر صرف آواز آشنا ہیں۔ یہ نہایت ہی پر خلوص آواز سرسید، اُردو اور علی گڑھ کے ایک مخلص شیدائی عبدالوہاب خاں سلیم کی ہوتی ہے۔ وہاب صاحب کے سلسلے میں (مرحوم) مشفق خواجہ صاحب نے اپنے ایک خط میں تحریر کیا تھا:۔

''یہ وہاب خاں صاحب انسان نہیں، فرشتہ معلوم ہوتے ہیں، اتنی دور بیٹھ کر اتنا خیال رکھنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں''۔

میری زیر نظر کتاب کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک روز اسی فرشتہ صفت مشفقانہ آواز نے مجھے مطلع کیا کہ اس کتاب کی اشاعت کی ''مکمل ذمہ داری'' صاحبِ آواز نے قبول کر لی ہے، اس لیے کتاب کا مسودہ ''فلاں صاحب'' کے حوالے کر دیا جائے۔ بعد واجبی تکلف کے مجھے صاحب آواز کی ہدایت قبول کرنی پڑی، میں عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کی اس پر خلوص معاونت کے لیے ان کا مشکور اور ممنون ہوں۔ (صفحہ۔۹۔۱۰)

یہ اقتباس کتاب: ''مکاتیبِ مشفق خواجہ بنام رفیع الدین ہاشمی (مرتب)، مطبوعہ ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور (۲۰۰۸ء) سے نقل کیا جاتا ہے۔ ایک خط میں مشفق خواجہ (م ۲۱۔فروری ۲۰۰۵ء) خاں صاحب کے بارے میں ہاشمی صاحب کو لکھتے ہیں۔

عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کی عنایت کردہ دونوں کتابیں مل گئی

ہیں، ان کا شکریہ فون پر ادا کر چکا ہوں اور آپ کا اب ادا کرتا ہوں۔

آپ نے ان کتابوں کے بھیجنے میں بہت زحمت اٹھائی۔ یہ عبدالوہاب خاں صاحب، انسان نہیں، فرشتہ معلوم ہوتے ہیں۔ اتنی دور بیٹھ کر اتنا خیال رکھنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اور یہ سلوک دو چار افراد کے ساتھ نہیں، بے شمار لوگوں کے ساتھ ہے۔ معلوم نہیں، انھیں کیسے یہ علم ہو گیا کہ میری تاریخ پیدائش ۱۹ دسمبر ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ۱۹ کی صبح کو میرے گھر ایک گل دستہ کوریر سروس کے ذریعے آ گیا، ساتھ ہی مبارک باد کا کارڈ بھی تھا۔ شام کو مبارک باد کا فون بھی آیا۔ بتائیے کون یہ کھیکڑا اٹھائے گا! (صفحہ۔۲۷۴)

اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۵ پر خواجہ صاحب کا ایک مکتوب ہے۔ اس میں وہ خاں صاحب کے فون کا ذکر کرتے ہیں جو وہ ہندوستان کے احباب کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے لیے کرتے ہیں اور پھر دوسرے احباب کو اطلاع دیتے ہیں۔ مشفق خواجہ کے مکتوب کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

جناب عبدالوہاب خاں سلیم (امریکہ) ازرہِ کرم ہندوستان کے احباب کو فون کر کے ان کی خیریت معلوم کرتے ہیں اور پھر مجھے بتاتے ہیں۔ پچھلے دنوں انہوں نے رشید حسن خاں صاحب سے بات کی۔ یہ جان کر افسوس ہوا کہ ان کی حالات اچھی نہیں ہے۔ کئی عوارض نے حملہ کر رکھا ہے، جن میں سرِ فہرست دل کا معاملہ ہے۔ دعا فرمایئے کہ انہیں صحت یابی ہو۔

''متعلقات مشفق خواجہ، مرتبہ ساحر شیوی، صابر ارشاد حقانی اور سید معراج جامی ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ یورپین اُردو رائٹرز سوسائٹی (برطانیہ)، لندن نے شائع کی۔ اس میں سید معراج جامی کا مضمون بعنوان: ''مشفق خواجہ۔ایک مطالعہ'' شامل ہے۔ مضمون میں جامی صاحب نے عبدالوہاب خاں سلیم اور مشفق خواجہ کے قریبی تعلق کے بارے میں لکھا ہے۔ متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

ہمارے ایک بزرگ کرم فرما عبدالوہاب خاں سلیم ہیں جو نیویارک میں رہتے ہیں۔ پاک وہند کی تمام بڑی ادبی شخصیات سے ان کے بڑے گہرے مراسم ہیں۔ وہاب صاحب نیویارک میں ایک بڑی ذاتی لائبریری کے مالک ہیں۔ جس میں بالخصوص چار موضوعات یعنی خودنوشت، سوانح عمری، خاکے اور سفرنامے پر دیگر تمام بڑی لائبریریوں سے کہیں زیادہ ذخیرہ ہے۔ خصوصاً حج وعمرے کے سفرنامے سب سے زیادہ ان کی لائبریری میں ہیں۔ کتب کے علاوہ قدیم کتابوں کی فوٹو کاپیاں کتابی شکل میں ان کے پاس ہیں۔ بڑا نادر ونایاب کتب خانہ ہے جو بلامبالغہ لاکھوں امریکی ڈالرز کی مالیت رکھتا ہے۔ کتابوں کے حصول کے لیے روپیہ پیسہ کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں نہیں ہے۔ صاحبِ مطالعہ، صاحبِ علم اور مخیّر ہیں۔ نادر و نایاب یا کسی اہم کتاب کی اشاعت میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی موضوع کی قید نہیں ہے۔ بس کتاب مفید ہو۔ وہاب صاحب سے جب تعلق قائم ہوا تو انہیں کی ہدایت پر ایک

دن خواجہ صاحب کو فون کیا۔ ''فرمایئے'' کے مخصوص لفظ سے خواجہ صاحب کی آواز آئی، میں نے اپنا نام بتایا تو لہجے میں اپنائیت کا احساس ہوا۔ میں نے وہاب صاحب کا پیغام دیا، دراصل خواجہ صاحب ہی کا کام تھا جسے میں نے وہاب کے کہنے پر انجام دینا تھا۔ بولے آپ کسی بھی وقت آسکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں کل گیارہ بجے دن میں حاضر ہوں گا۔ بولے بہتر ہے۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر پہنچا، بیل دی، چند ساعت کے بعد اوپر سے نام پوچھا گیا۔ نام بتایا، پھر تقریباً پانچ سے سات منٹ ہوگئے انتظار کرتے۔ پھر اوپر کا دروازہ کھلا۔ آواز آئی آیئے۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا، دروازے کے ساتھ کھڑے تھے۔ مصافحہ کر کے مجھے بیٹھک کی طرف اشارہ کیا۔ میں اندر کمرے میں جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ پہلی دفعہ عام دن میں پہنچا تھا اس لیے دروازہ دیر سے کھولنے پر معذرت کرنے لگے کہ میں ابھی ابھی انسولین کا انجکشن لگا کر بیٹھا تھا۔ میں نے خیریت دریافت کی۔ وہاب صاحب کی امانت پہنچائی اور کہتے ہوئے اجازت چاہی کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اور ویسے بھی میں اتوار کے علاوہ آیا ہوں۔ کہنے لگے کوئی بات نہیں۔ جلدی کیا ہے۔ بیٹھیے۔ پھر انہوں نے اپنے ملازم لڑکے کو آواز دی اور مجھ سے چائے، ٹھنڈے کو پوچھنے لگے، میں نے تکلف سے کام لیا تو بولے کہ موسم گرم ہے اس لیے آپ کو بوتل پلاتے ہیں۔ لڑکے، بوتل لے آؤ۔ پھر خواجہ

صاحب نے مجھے کریدنا شروع کیا۔میں بڑی سعادت مندی سے ان کے سوالات کے جوابات دیتا رہا۔وہاب صاحب سے واقفیت کے بارے میں معلوم کرنے لگے۔میں نے بتایا۔غرض کہ اس دن میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ان کے پاس بیٹھا، پھر اجازت چاہی اور چلا آیا۔خواجہ صاحب کی تفتیش کافی حدتک مکمل ہو چکی تھی۔

وہاب صاحب کا خواجہ صاحب کے ساتھ معاملہ بہت وسیع تھا۔اس لیے جب میرے ذریعے یہ سلسلہ شروع ہوا تو پھر تواتر سے خواجہ صاحب کے پاس جانے لگا۔کیوں کہ وہاب صاحب کے بہت سے کام خواجہ صاحب سے ہوتے اور کچھ کام خواجہ صاحب کے وہاب صاحب سے ہوتے، میں ان دونوں کے درمیان نامہ بر بن گیا اور یوں ان کے وہ تین اصول جس پر انہوں نے اپنی ادبی زندگی کو قائم رکھا ہوا تھا، اس طرح قائم نہ رہ سکے کہ اب میں ان کے لیے کسی حد تک کارآمد ہو چکا تھا۔(صفحہ۔۲۲۸۔۲۲۹)

اس طویل اقتباس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہاب صاحب کے خواجہ صاحب سے بہت قریبی تعلقات تھے۔اس اقتباس میں خواجہ صاحب کے تین اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔جامی صاحب نے اسی مضمون میں ان کا ذکر کیا ہے۔ان کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تا کہ تشنگی باقی نہ رہے۔جامی صاحب لکھتے ہیں:۔

☆خواجہ صاحب کسی ادبی تحریک یا محفل میں کبھی شریک نہیں ہوئے۔

☆ خواجہ صاحب سوائے اتوار کسی اور دن کسی سے نہیں ملتے تھے۔

☆ ان سے ملنے کے لیے باقاعدہ پہلے وقت لینا پڑتا تھا۔ (صفحہ۔۲۲۲)

داؤد رہبر خاں صاحب کے قریبی دوست ہیں۔ان کے خطوط کی تین جلدیں سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور سے شائع ہو چکی ہیں۔ان میں خاں صاحب کے نام بھی کافی تعداد میں خطوط شامل ہین۔اس کتاب کی جلد دوم ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔اس جلد کے سرورق اوران صفحات کی فوٹو کاپی خاں صاحب نے مجھے بھیجی جن پران کے نام خطوط شامل ہیں۔اس کے سرورق پر وہاب صاحب نے اپنے قلم سے یہ تحریر بھی لکھی ہے:۔

جناب شاہ صاحب! سلامِ شوق۔مزاج گرامی ۔سلام و پیامؔ کی دوسری جلد بازار میں دستیاب نہیں ہے،کوشش کر رہا ہوں کہ اگر کہیں سے مل گئی (تو) آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

عبدالوہاب خاں سلیم

نیویارک

لفافے پر بروکلن سے ۱۲۔مئی ۲۰۰۹ء کی مہر ثبت ہے۔

یہ جلد مصنفؔ (داؤد رہبر) نے ان الفاظ کے ساتھ خاں صاحب کی خدمت میں پیش کی:۔

بخدمت

علم وادب کے قدردان

اور ادیبوں کے مہربان مربی ومعاون

محبی عبدالوہاب خاں سلیم صاحب،

فلوریڈ   نیازمند

۱۱۔نومبر ۲۰۰۴ء   داؤد رہبر

زیرِ حوالہ جلد میں خاں صاحب کے نام ایک خط ۳۰۔دسمبر ۱۹۹۷ء کا لکھا ہوا شامل ہے۔اس میں مصنف نے خاں صاحب کی علم دوستی کا ذکر کیا ہے۔اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خاں صاحب اپنے احباب، کے ساتھ کس طرح علمی تعاون کرتے ہیں۔اس مکتوب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

۳۰۔دسمبر ۱۹۹۷ء

کرم فرما جناب عبدالوہاب سلیم صاحب!

السلام علیکم! آپ کے پیہم التفات سے میں بہت متاثر ہوں۔پہلے آپ نے خالدہ ادیب خانم کا ''سفرنامہ ہند'' مرحمت فرمایا۔پھر تین سفرنامے پڑھنے کو بھیجے۔یہ سارے سفرنامے میں نے پڑھ لیے۔''سفرنامہ ہند'' ان میں بہترین ہے۔ترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی کا ہے۔مصنفہ خوش نصیب تھی کہ اسے ایسا قادراللسان مترجم ملا۔سید صاحب کا اسلوب بیان ان کی ساری تصانیف میں دلکش ہے۔پلوٹارک کا ترجمہ بھی انہوں نے کیا۔اس کا عنوان ''مشاہیر یونان وروما'' ہے۔آپ نے ضرور دیکھا ہوگا۔خالدہ ادیب خانم کی سوانح عمری انگریزی میں ضرور کسی نے لکھی ہوگی۔لائبریریوں میں تلاش کروں گا۔موصوفہ نے وطن چھوڑ کر پیرس میں سکونت اختیار کرلی تھی۔اس کی وجہ مجھے معلوم نہیں۔

نہایت امتنان کے ساتھ تین کتابیں واپس بھیج رہا ہوں۔کوثر نیازی صاحب کے سفر نامے میں معلومات مفید ہیں۔اگر وہ مختلف مقامات کو اپنے پہنچنے کی اور مدت قیام کی تاریخیں بھی لکھ جاتے تو کتاب مفید تر ہوتی۔

حکیم احمد شجاع کی آپ بیتی میں معلومات جستہ جستہ ہیں۔کتاب مختصر ہے۔گھریلو باتیں اس میں نہیں۔طالب علمی کے احوال ہیں اور کچھ قصے مراسم کے ہیں۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا سفر نامہ تو ضیافتوں کی ڈائری ہے۔ایسا لگتا ہے کہ ڈائری کے اندراجات تکان کی حالت میں کیے گئے ہیں۔داستان طرازی اس کتاب میں نہیں ہے۔

امید ہے آپ کی صحت اب بحال ہوگی۔

منت گزار

داؤد رہبر (صفحہ۔۲۶۹)

اسی جلد میں داؤد رہبر کا ایک اور خط شامل ہے جس میں وہ ان کے لائبریرین ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے عمرہ کرنے کا لکھتے ہیں۔اقتباس یہ ہے:۔

۱۸۔اکتوبر ۱۹۹۹ء

مکرمی عبدالوہاب خاں سلیم ،السلام علیکم!

اصل اہل الکتاب تو آپ ہیں یعنی لائبریرین۔آغا بابر مرحوم کی برسی

نیویارک میں یعنی آپ کے شہر میں منائی گئی لیکن جلسے میں شریک نہ ہو سکے۔ ہوتے تو ملاقات ہو جاتی۔ اُدھر آپ عمرہ سے ثواب کما رہے تھے۔ اِدھر ہم جلسے میں شعر خوانی کر رہے تھے۔۔۔
(صفحہ۔۲۷۳)

خاں صاحب نے مئی ۲۰۰۹ء میں داؤد رہبر کے دو قلمی خطوط کی عکسی نقول ارسال کیں۔ ایک خط ۲۴۔ مئی ۲۰۰۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں وہ مکتوب الیہ کو ''مخیرّ حلقۂ احباب'' کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ اس مکتوب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

مخیرّ حلقۂ احباب عبدالوہاب خاں سلیم صاحب!

السلام علیکم۔ خدا کا شکر ہے کہ تسلیمات کا پارسل بحفاظت یہاں پہنچ گیا۔ ایک نسخہ آپ کی نذر ہے۔ ایک میرے پاس رہے گا، تین نسخے امریکہ کی لائبریریوں کی بھیج دوں گا۔

مولانا حالی کا ایک شعر اعجاز حسین بٹالوی مرحوم کو بہت پسند تھا

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو مر نہ جائے
کہ زندگی تو عبارت ہے تیرے جینے سے

آپ کا ایک وسیع حلقۂ احباب آپ کی زندہ دلی کا معترف ہے، میری قلم کاری سے آپ کی دلچسپی زبانی ہی نہیں عملی بھی ہے، کتابوں کی بہم رسانی میں مجھے آپ سے برابر مدد ملی ہے اس پر تشکر کا اظہار اچھی طرح سوانح عمری کے دیباچے میں کروں گا، بہر حال جزاکم اللہ۔

فلوریڈا،

نیاز مند

۲۴۔جنوری ۲۰۰۵ء

داؤدرہبر

دوسرا قلمی خط ۲۴۔اپریل ۲۰۰۹ء کو لکھا گیا ہے۔اس میں داؤد رہبر خاں صاحب کے عمرہ کی نیت کا ذکر کرتے ہیں۔ان کی اہلیہ خورشید سلیم کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔اس خط کو یہاں پر درج کیا جاتا ہے:۔

محبی ومکرمی عبدالوہاب خاں سلیم صاحب!

السلام علیکم۔عمرہ کی نیت مبارک ہو۔ضعیفی کے باوجود آپ حوصلہ مند ہیں۔ہندو کہتے ہیں نرکی بیڑی ناری چارج کرتی ہے۔بھابی صاحبہ آپ کو لذیذ کھانے کھلا کر تندرست رکھتی ہیں،اور عمرہ میں ہمسفر رہتی ہیں۔آپ خوش نصیب ہیں۔

آپ نے فون پر اپنے نحیف ہونے کا ذکر کیا تو کسی استاد کا یہ شعر میری زبان پر آیا:۔

انتہائے لاغری سے جب نظر آیا نہ میں
ہنس کے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہیے

خیراندیش

داؤدرہبر

۲۴۔اپریل ۲۰۰۹ء

ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''درشن جھروکہ (خاکے)'' سنگ میل پبلی کیشنز نے ۲۰۰۹ء میں شائع کی۔اس میں خاں صاحب کا خاکہ ''دوستی کا گل سرسبز'' کے عنوان سے

چھپا ہے۔اس خاکے سے چند اقتباسات یہاں پر درج کیے جاتے ہیں:۔

وہاب دیندار آدمی ہے اوران گنت حج اور لاتعداد عمرے ادا کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے، مگر اس نے کبھی بھی مسجدوں کی سیاست میں فعال کردار ادا کرنے کی کوشش نہ کی۔اکبرالہ آبادی والی بات:

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

(صفحہ۔۱۰۷)

ڈاکٹر سلیم اختر خاں صاحب کی لائبریری اور کتابوں کوعنایت کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وہ حبشیوں کے علاقہ میں آباد ہے،لیکن اس کا گھر Brooklyn کے بجائے لاہور، دہلی، علی گڑھ کے کسی صاحبِ ذوق کے کتب خانہ کا منظر پیش کرتا ہے۔کم از کم دس ہزار کتابیں اور لاتعداد ادبی جرائد کا ذخیرہ کر رکھا ہے اور اس پسندیدہ ماحول میں وہ کتب بینی کی لذت حاصل کرتا ہے، پڑھتے پڑھتے تھک جائے تو ڈائل گھماتا ہے۔

”ہیلو سلیم!میں عبدالوہاب خاں سلیم بول رہا ہوں، نیویارک سے“۔

یوں وہ اُردو دنیا کے احباب سے رابطہ رکھتا ہے۔ایک اور خوبی یہ ہے کہ جو کتاب اسے اچھی لگے، وہ اس کے درجن دو درجن نسخے ان احباب کو پیش (بلکہ عنایت) کرتا ہے جواس کی مانند کتاب کے رسیا

ہیں۔(صفحہ۔۱۰۸)

مکاتیب رشید حسن خاں بنام رفیع الدین ہاشمی، مرتبہ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، ادارہ ادبیات، لاہور کی جانب سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔اس کے ضمیمہ(ا) میں عبدالوہاب خاں سلیم کے نام نو خط شامل ہیں۔اس میں شامل خط نمبر ۹ کا ایک اقتباس یہاں پر نقل کیا جاتا ہے۔یہ مکتوب ۱۲۔جنوری ۲۰۰۶ء کو شاہ جہاں پور سے لکھا گیا۔ رشید حسن خاں لکھتے ہیں:۔

محبِ مکرم! سلامِ شوق۔

رجسٹرڈ لفافہ مل گیا۔ممنون ہوں اور شکر گزار۔سعدی نے کہا ہے:

آفا قہا گر دیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام،لیکن تو چیزے دیگری

یہ شعر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے اور آپ کو پیش نظر رکھ کر کہا گیا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے بیشتر علاقوں کو دیکھا ہے اور بار بار دیکھا ہے،لیکن آپ جیسا علم دوست ،کتاب دوست اور غمگسار (کذا) نہیں دیکھا۔کسی تمنا اور کسی طرح کے لگاؤ کے بغیر جو سلوک آپ روا رکھتے ہیں،واقعہ یہ ہے کہ بے مثال ہے۔۔۔

(صفحہ۔۱۸۴۔۱۸۵)

اسی کتاب میں رشید حسن خاں نے کلیاتِ اقبال اُردو کو اصول تحقیق کے مطابق مرتب کرنے کی ایک تجویز انجمن ترقی اُردو (ہند) کو بھیجی تھی۔اس کام میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے اشتراک کو بھی شامل کیا تھا۔انجمن نے ان کی اس تجویز کو

منظور کرلیا۔ وہاب صاحب کو اس کے لیے دعا کرنے کا لکھتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

۔۔۔ یہ بجائے [کذا] خود ایک نئی علمی مثال ہوگی علمی تعاون کی مگر آپ کی دعاؤں کے بغیر یہ کام نہیں ہو پائے گا۔ میری درخواست ہے کہ آپ بہ طورِ خاص کئی بار دعا کیجیے کہ مجھے اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا ہو۔ آپ کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ یہ میری زندگی کا آخری بڑا یادگار کام ہوگا۔ اس کا اعتراف مقدمۂ کتاب میں واضح لفظوں میں کیا جائے گا کہ اگر عبدالوہاب خاں سلیم کی دعائیں شاملِ حال نہ ہوتیں اور ان کی مسلسل غمگساری [کذا]، ان کا اصرار، ان کی ہمت افزائی میری معاونت نہ کرتی تو یہ کام نہیں ہوسکتا تھا۔۔۔ اب یہ فرمایئے کہ یہ تجویز آپ کو پسند آئی؟ غالب والے کام کی کمپوزنگ ہو رہی ہے اور تصحیح بناتا جاتا ہوں۔ غالباً سال بھر میں وہ مکمل ہو جائے گا اور کتاب پریس چلی جائے گی۔ کلیاتِ اقبال والا کام ہاشمی کا خط آتے ہی شروع کرنے کا مصمم ارادہ ہے۔ آپ نے متعدد حج کیے ہیں، عمرے کیے ہیں، شب بیداری اور خدا کی یاد اور عبادت آپ کی طبیعت کا جز ہے؛ اس لیے یقین ہے مجھے کہ جب آپ اس کام کی تکمیل کے لیے دعا کریں گے تو وہ ضرور قبول ہوگی ـــــ میرا فون کچھ دنوں تک خراب رہا، اب پرسوں ٹھیک ہوا ہے۔ آپ کی ہمت بڑھانے والی آواز دنوں سے نہیں سُنی، ممنون ہوں گا اگر آپ فون

کرلیں گے۔ یہ فرمائش میں کسی اور سے نہیں کرسکتا اور کرتا بھی نہیں۔ بہ قول غالب: ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
(صفحہ۔۱۷۹۔۱۸۰)

رشید حسن خاں اسی کتاب میں شامل خاں صاحب کے نام خط نمبر ۷ میں غالب سے متعلق اپنی کتاب "گنجینۂ معانی کا طلسم" کا ذکر کرتے ہیں اور مقدمے کے آخری صفحے کا عکس وہاب صاحب کے ملاحظہ کے لیے بھیجنے کا لکھتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کے صفحہ ۱۸۳ پر حاشیہ میں یہ نوٹ موجود ہے:۔

اس خط کے ساتھ کتابت (کمپوز) شدہ مقدمے کے آخری صفحے کا عکس منسلک تھا۔ اس میں آخری دو پیراگراف سے پہلے حسبِ ذیل الفاظ میں مکتوب الیہ (خاں صاحب) کا شکریہ ادا کیا گیا ہے؛

"میں محبّ مکرم الحاج عبدلوہاب خاں سلیم کا خاص طور پر شکرگزار ہوں جن کے پیہم تقاضوں نے اور اصرار نے کام کی رفتار کو سست نہیں ہونے دیا۔ دراصل اس موضوع پر اس انداز کی کتاب مرتب کرنے کی فرمائش انھی کی تھی۔ میں ان کی بات ٹالتا نہیں، یوں ہامی بھرلی تھی۔ عبدالوہاب خاں صاحب میرے مخلص کرم فرما اور غم گسار ہیں۔ یہ ان کے پیہم اصرار کا فیضان ہے کہ درمیان میں کام رکا نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ خاں صاحب کی کتاب دوستی اور ان کا بے مثال خلوص شاملِ حال نہ رہتا تو میں موجودہ حالات میں اس کام کو شاید نہ کرپاتا۔

ایک اور کتاب بعنوان: سرسید کا سفرنامہ، مسافران لندن، مرتبہ اصغر عباس ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔اس کے صفحہ ۲۳ پر مرتب لکھتے ہیں:۔

اس کتاب کی تیاری میں نیویارک میں میرے کرم فرما عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کے پیہم اور پرتپاک اصرار کو بھی دخل ہے۔وہ سفرناموں کے رسیا اور سرسید کے افکار کے قدردان اور ان کے مداح ہیں۔انہوں نے اس کتاب کی طباعت میں مالی معاونت بھی کی ہے۔میں ان کا شکر گزار ہوں۔۔۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے ''لالہ ٔ گل'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس کو شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ۲۰۰۹ء میں شائع کیا۔اس میں ''عبدالوہاب خاں سلیم'' کے عنوان سے خاں صاحب کا خاکہ بھی شامل ہے۔یہ خاصا مفصل ہے۔ کتاب کے صفحات ۱۰۵ سے لے کر ۱۲۰ تک مشتمل ہے۔اس کے چند منتخب اقتباسات ذیل میں دیے جاتے ہیں:۔

دنیا کے بے شمار انسانوں کی اسی شمع برداری کی وجہ سے اس دنیا کی چمک دمک اور رنگینیٔ حیات باقی ہے، نیویارک کے ایک شمع بردار الحاج عبدالوہاب خاں سلیم سے کون واقف نہیں؟ تقسیم انوار ہی آپ کا شیوۂ حیات، اللہ کے بندوں کو مسرتوں اور خوشیوں سے گرانبار کرنا ہی آپ کا مقصد زندگی اور دولتِ خداوندی سے لوگوں کے مسائل ومصائب کو کافور کردینا ہی آپ کی دیرینہ خواہش، عبدالوہاب خاں سلیم

نحیف ونزار اتنے کہ چٹکیوں میں کوئی اڑا لے جائے لیکن اندر سے اتنے مضبوط کہ ہر مظلوم کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے تیار، صرف پڑوسیوں ہی کی خبر گیری کرنے والے نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر رنگ ونسل کے درد پر درد مند ہو جانا ان کا ایک فطری عمل، ادباء، شعراء اور ناقدین و محققین کی خیریت دریافت کرنے کے لیے ہمہ آن مضطرب، ان کی نگارشات وتحقیقات پر مبارکباد پیش کرنا، آپ کا فریضۂ اولین۔ یہ بارش انوار اور یہ پیہم کرم فرمائیاں بذریعہ فون انجام پاتی ہیں، مادی طور میں یہ جلوۂ انسانیت کہاں دیکھنے کو ملے؟ (صفحہ۔۱۰۵۔۱۰۶)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی اس مادیت پرست دور میں خاں صاحب کے انفاق (خرچ کرنے) کی بات کرتے ہیں۔ عہد حاضر کا انسان بالعموم دولت اکٹھی کرنے میں لگا ہوا ہے، لیکن وہاب صاحب کا حال اس سے مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

۔۔۔لیکن قلب سلیم کے حامل عبدالوہاب خاں سلیم کو اس سوچ سے بیر ہے، انہیں انفاق ہی میں سارا مزہ، مادہ پرستوں کو کیا معلوم کہ انفاق سے رزق بڑھتا ہے اور دولت ثروت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے بے شمار اہلِ قلم ایسے کہ جن کی تصانیف اور افکار کی طباعت میں خاں صاحب کا حصہ ہے اور طباعت کے بعد اس کی بہت سی کاپیاں خرید کر مفکرین و مصنفین مابین تقسیم کرنے کی وجہ بھی، ایسے انسان، ایسے دُرنایاب اور ایسے عدیم النظیر محسن کہاں ملنے کو؟ (صفحہ۔۱۰۶)

عبدالوہاب خاں سلیم نے راقم السطور کو فون پر بات کرتے ہوئے بتایا تھا کہ

انہوں نے کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامی تاریخ کی لائبریری میں ''گوشۂ عبدالوہاب خاں سلیم'' بنوایا ہے۔اس میں ذخیرۂ کتب کے نشو و ارتقاء کے لیے کتابیں بھجواتے ہیں اور مالی معاونت کرتے ہیں۔اسی طرح مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں بھی اسی طرح کا ''گوشہ عبدالوہاب خاں سلیم'' قائم ہے اور اس کی ترقی کے لیے بھی وہ کوشاں رہتے ہیں۔اس سلسلے میں انہوں نے مجھے چند خطوط کی عکسی نقول بھجوائی ہیں جن سے ان گوشوں میں کتابوں کی جمع آوری کا علم ہوتا ہے۔ڈاکٹر اصلاحی نے بھی ان کا ذکر زیر حوالہ خاکے میں کیا ہے۔متعلقہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:۔

> کراچی یونیورسٹی کے ایک کمرے پر نظر گئی تو دیکھا کہ اس دروازے پر ''گوشۂ عبدالوہاب خاں سلیم'' مرقوم ہے، دل اندر جانے کے لیے حیران، پریشان۔ اندر گیا تو کتابوں کی الماریاں، اسلامیات کے موضوع پر گراں قدر مصادر و منابع ، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ سب خاں صاحب کی عطا کردہ کتابیں ہیں۔آپ کا شیوۂ حیات ہی یہ ہے کہ اہل علم کی مساعدت کی جائے، ان کے افکار و خیالات کی اشاعت کی جائے۔۔۔خاں صاحب کی سب سے خوبصورت دنیا دنیائے کتب ہے۔دنیا جہاں سے کتابوں کو خریدنا، نایاب کتب کی فوٹو حاصل کرنا اور اہلِ علم سے ان کی تصانیف کو ہدیہ کر کے اپنے کتب خانے کے لیے مہیا کرنا فرضِ عین سمجھتے ہیں۔ادارہ سرسید کی مولانا آزاد لائبریری میں بھی ''گوشہ سلیم'' ہے۔جو آپ کی کتابوں سے محبت کی شہادت دے رہا ہے۔ بتایئے ایسے گوہر نایاب اب

کہاں ملنے کو؟ (صفحہ۔۱۱۰۔۱۱۱)

ڈاکٹر اصلاحی خاں صاحب کے عشق رسول ﷺ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

خاں صاحب کا عشق رسول ﷺ بھی آخری انتہا پر ہے، نہ جانے کتنی بار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ذرات کو سرمۂ حیات بنا چکے، اسی سرمۂ حیات نے انہیں اللہ کے بندوں سے محبت کرنا سکھایا اور اسی عشق رسول ﷺ کے سبب علامہ اقبال کو کہنا پڑا: ع

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اسی جذبہ حب رسول ﷺ کا اظہار ایک جگہ علامہ نے یوں کیا: ع

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

(صفحہ۔۱۱۱)

ڈاکٹر اصلاحی خاکے آخر میں خورشید سلیم (اہلیہ عبدالوہاب خاں سلیم) کے اہم کردار کا ذکر کرتے ہیں۔ اس اقتباس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

۔۔۔تربیت اولاد میں آپ کی محترمہ خورشید سلیم صاحبہ کا بھی اہم رول ہے، کیوں کہ حدیث نبوی ﷺ کا نقطۂ نظر بہت واضح ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی دولت نیک بیوی ہے۔۔۔ یہ مجھے پتہ ہے محترمہ خورشید صاحبہ گھر کی تعمیر میں اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتی رہی ہیں، بہرحال دونوں صاحبان کی کوششوں سے بیٹا اور چار

بیٹیاں پیشۂ طب و ہندسہ سے جڑی ہوئی ہیں اور سب کے سب اپنے
والدین کے لیے ''قرۃ العین'' ایسے کہ وہ جینے کی دعا مانگیں
(صفحہ۔۱۱۹۔۱۲۰)

وطن عزیز کے معروف افسانہ نگار اور ادیب انتظار حسین کا ایک کالم روزنامہ ڈان میں بروز اتوار (۱۷۔مئی ۲۰۰۹ء) کو شائع ہوا۔اس کی فوٹو کاپی خاں صاحب نے ڈان کام DAWN COM سے پرنٹ کروا کر مجھے بھجوائی۔اس کا عنوان ہے: تحائف دینا (Giving Gifts) اور یہ تفریح (Entertainment) کے ذیل میں شائع ہوا ہے۔اس میں کالم نگار نے تفصیل کے ساتھ خاں صاحب کی فیاضی کا ذکر کیا ہے کہ وہ احباب اور قارئین کتب کو کتابیں تحفۃً بھیجتے ہیں اور ان میں مطالعۂ کتب کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مزید برآں ایسے احباب کو ان کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے۔وہ بوجوہ ان کو خرید نہیں سکتے یا خریدنے کے لیے کتاب فروش کے پاس جانے کی کوشش نہیں کرتے۔کالم نگار نے لکھا ہے کہ وہ عمدہ اُردو کتابوں کے لیے ایک کتاب دوست شخصیت کا ممنون احسان ہے کہ وہ اس کو ایسی کتابیں عنایت کرتے رہتے ہیں۔کالم کے آخر میں دو کتابوں سلام و پیام (جلد سوم) از داؤد رہبر اور جامعات میں اُردو تحقیق از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی پر تبصرہ کیا ہے۔اس کالم کا متعلقہ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

For my access to good books in Urdu I am, to a certain extent, indebted to a book lover, who seems bent upon inculcating that love in the

writers and intellectuals known to him.

This act he performs with a missionary zeal by offering good books to those who appear to him capable enough to develop a genuine love for book reading.

One may not be necessarily in the circle of his friends, but if he shows the promise of growing into a genuine reader, his name will be included in the list of those who receive from him gifts of books on a regular basis.

Such was my case: for a year or so I could not detect as to who is this gentle soul named Abdul Wahab Khan Salim, who is settled in New York and is gracious enough to send me books off ard on, which I love to read.

Slowly and gradually I discoverd Abdul Wahab was one belonging to the class of those charitable persons who apportion a sum of money from their wealth and offer help to those

who stand in need of such help.Wahab Sahib stands distinguished in the clan of charitable persons, simply for the reason that being a book lover he has transferred his spirit of charity to the realm of book reading.

With his gifts of boks he is ever ready to offer help to those who in spite of some inclination for book reading, do not care to purchase books, nor take the trouble to go to any library for this purpose.

Perhaps Wahab Sahib is an optimist and hence firmly believes that those receiving gifts of books from him will, in due course, get addicted to book reading to the point that they will not wait for the gift from him. Instead, they will go to any bookshop and purchase books of their own choice.

On my part I have almost stopped purchasing books. Instead, I have gone addicted

to the habit of waiting for books coming as a gift from him.

The newly received gift contains two volumes. One is a collection of Daud Rahbar's letters to his friends published under the title Salam-a-Piyaam by Sang-e-Meel.

The other is a volume brought out by Higher Education Commission in Islamabad under the title Jamiaat Main Urdu Tahqeeq compiled by Dr. Rafiuddin Hashimi...

''مکتوبات مشفق خواجہ بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد''، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور نے ۲۰۱۰ء میں شائع کی۔ اس کو ڈاکٹر سید حسن عباس نے مرتب کیا۔ اس کا مقدمہ ''حرف چند'' کے عنوان سے ڈاکٹر مختار الدین احمد (م ۳۰ جون ۲۰۱۰ء) نے لکھا۔ ان خطوط میں بھی چند مقامات پر خاں صاحب کا ذکر ہے۔ اس میں خواجہ صاحب کے مکتوب مؤرخہ ۲۴ جنوری ۲۰۰۳ء کا اقتباس دیا ہے۔ اس میں خاں صاحب کی تحسین وتوصیف کی گئی ہے۔ خواجہ صاحب بیماری کے بعد جب صحت یاب ہوئے، تو انہوں نے یہ خط لکھا۔ اس کا زیر حوالہ اقتباس ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

گزشتہ سال آپ کے خطوط باقاعدگی سے ملتے رہے، اس سے نہ صرف میری دلجوئی ہوئی بلکہ بیماری کے دوران بڑا حوصلہ ملا۔ جناب

عبدالوہاب سلیم صاحب کے ذریعے آپ نے سلام و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔ سلیم صاحب کمال کے آدمی ہیں۔ یہ میرے اکثر ہندوستانی کرم فرماؤں۔ سے رابطہ کر کے میری خیریت سے انہیں مطلع کرتے رہے اور مجھے ان کے بارے میں تازہ ترین اطلاعات فراہم کرتے رہے۔ ''مختار نامہ'' کی راہ ہموار کر کے سلیم صاحب نے ان سب کو ممنون کرم فرمایا جو آپ سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے دس نسخے مجھے پہلے ملے تھے اور بیس کل ہی موصول ہوئے ہیں۔ یہ ان لوگوں میں تقسیم کر رہا ہوں جو اس کے اہل اور مستحق ہیں۔ مکمل فہرست بعد میں بھیجوں گا۔ (صفحہ۔۳۴۹)

اسی کتاب میں خواجہ صاحب کا ایک طویل خط شامل ہے جو تین روز (۲۹ تا ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۴ء) میں لکھا گیا۔ اس میں ڈاکٹر مختار الدین احمد کے خطوط کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:۔

۔۔۔آپ کے خطوط کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں صرف عبارت آرائی نہیں ہوتی، معلومات بھی ہوتی ہیں۔ ادھر ایک عرصہ سے میں اپنے نام ہی کی نہیں دوسروں کے نام آپ کے خطوط پڑھ رہا ہوں۔ جتنے خطوط آپ میرے ذریعے سے لوگوں کو بھجواتے ہیں، ان کے پڑھنے کے لیے آپ نے خود فرما رکھا ہے۔ داؤد رہبر صاحب اور عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کے نام کے خطوط کے عکس بھیجے ہیں۔ ایک ان کے نام کا اور دوسرا گیان چند کے نام کا ہے۔ آپ خط

جب مرتب کرتے ہیں تو ان میں جان ڈال دیتے ہیں۔آپ کے حواشی کے ساتھ خطوط کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔(صفحہ۔۳۶۶)

خواجہ صاحب نے ڈاکٹر مختار الدین احمد کو آخری خط ۳ جنوری ۲۰۰۵ء کو لکھا اس میں اپنی سالگرہ کا ذکر کرتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے بھی خواجہ صاحب کو لکھا۔اس خط میں خاں صاحب کا ذکر بھی کرتے ہیں۔متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے:۔

۔۔۔شام کو عبدالوہاب خاں سلیم صاحب نے ایک کوریر سروس کے ذریعے گلدستہ بھجوایا۔سلیم صاحب کمال کے آدمی ہیں۔ایسی محبت کرنے والے اس دنیا میں کم ہوں گے۔۔۔(صفحہ۔۳۷۰)

ہما منان بٹ اپنی کتاب: ''پروفیسر ڈاکٹر نسیم فاطمہ: شخصیت اور کام'' کے تعارف میں وہاب صاحب کے بارے میں لکھتی ہیں؛

۔۔۔الغرض آپ (ڈاکٹر نسیم فاطمہ) کی شخصیت کے اتنے پہلو ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ خیال آیا کہ لائبریری سائنس کے طلباء اور اساتذہ کو ان سے آشنا کروایا جائے جسے وہ نہیں جانتے۔ڈاکٹر صاحبہ سے اجازت چاہی کہ ان کی سوانح حیات لکھنا چاہتی ہوں، لیکن وہ خوبصورتی سے ٹال گئیں کہ سوانح حیات تو بڑے آدمیوں کی لکھی جاتی ہے، میں اصرار کرتی رہی۔اسی دوران عبدالوہاب خاں سلیم صاحب (جو جامعہ کراچی ہی کے لائبریری سائنس کے سابق طالب علم رہے اور ۳۰ سال سے امریکہ میں مستقل مقیم ہیں۔کتاب دوست فرد

ہیں، ان کی خصوصی دلچسپی کے موضوعات حج، عمر (؟ عمرہ) اور خود نوشت سوانحات ہیں) نے کہا کہ وہ ڈاکٹر صاحبہ کی سوانح حیات لکھوانا چاہتے ہیں۔ میں نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔ وہ بذات خود مجھ سے واقف نہ تھے، لیکن میری پیشکش کو قبول کر لیا۔

(صفحہ۔ ط)

اسی کتاب کے تعارف کے آخر میں محققہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اس کتاب کی اشاعت میں خاں صاحب نے مالی معاونت بھی کی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

میں عبدالوہاب خاں سلیم کی اس عنایت کی بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مالی معاونت بھی کی اور ہمت افزائی مسلسل کرتے رہے۔

(صفحہ۔ ز)

بعد میں ڈاکٹر محمد شہاب الدین کی کتاب: ''اُردو میں حج کے سفرنامے'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں مصنف نے ''پیش لفظ'' کے آخر میں جن افراد کا شکریہ ادا کیا ہے، ان میں خاں صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ ان کے الفاظ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

۔۔۔علم دوست اور سفرناموں کے شائق جناب عبدالوہاب خاں سلیم (نیویارک، امریکہ) کا شکریہ ادا کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں، جنہوں نے مجھے بہت سے پاکستان (سے) سفرنامے بھجوانے کی، سبیل پیدا کی۔ اور پھر ان کے شوق اور توجہ کے سبب یہ کتاب منظر

عام پر آئی۔ (صفحہ۔۱۶)

محمد اکرام چغتائی اپنی کتاب ''مطالعۂ آزاد (مجموعۂ مقالات)'' کے پیش گفتار کے آخر میں خاں صاحب کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ان کی علم دوستی اور علم پروری کو بیان کرتے ہیں۔اس اقتباس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

> اس کتاب کو عبدالوہاب سلیم صاحب کے نام معنون کیا گیا ہے۔ان دنوں چاردرانگ عالم میں ان کی علم دوستی اور علم پروری کے چرچے ہیں۔تیس سے زیادہ ادبی اوردینی کتابیں ان کے نام منسوب ہیں اور متعدد کتب ان کی مالی اعانت اور تحریک سے منصۂ شہود پر آرہی ہیں۔دیر کی بات ہے،ان کے چھوٹے بھائی عبدالحنان (م۔۲۰۰۸ء) میرے ہم جماعت تھے اور انہی کے توسط سے عبدالوہاب سلیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ان دنوں سلیم صاحب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ملازم تھے۔اکثر وہاں ان سے ملاقات ہوتی تھی۔ انہیں پرانے علمی وادبی رسائل اور کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ ایک بار وہ مجھے ذاتی ذخیرہ دکھانے اپنے گھر بھی لے گئے۔ ان کے مستقل امریکہ چلے جانے کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔برسوں بعد امریکہ جانا ہوا تو نیویارک کی ایک تقریب میں ان سے ملاقات ہوئی۔اپنے گھر لے جانے اور نادر الوجود نجی کتاب خانہ دکھانے پر مُصر رہے،لیکن مجھے اگلے روز علی الصبح واپس لندن پہنچنا تھا،اس لیے ان کی مخلصانہ دعوت قبول نہ کرسکا۔اللہ بھلا کرے،

اپنے دیرینہ کرم فرما مشفق خواجہ مرحوم کا، جو جاتے جاتے سلیم صاحب سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو پھر سے جوڑ گئے، اور انہوں نے ایسی مضبوط گانٹھ لگائی کہ تب سے لمحۂ موجود تک سلیم صاحب کی محبتوں، شفقتوں اور طرح طرح کی مہربانیوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ فی زمانہ ایسے احباب کا مل جانا کسی بڑی سے بڑی نعمت سے کم نہیں۔ (صفحہ۔۱۳)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی اپنی کتاب: ''نایاب ہیں ہم (مخلصین ومفکرین ادارۂ سرسید) مطبوعہ ۲۰۱۰ء میں خاں صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

یہاں ایک محسن ومحبّ کا ذکر انتہائی ناگزیر ہے جس کی محبتیں، عنایتیں اور شفقتیں ان خاکوں میں رواں دواں ہیں، امریکہ سے مستقل اس ناتواں کی حوصلہ افزائی، اس کے ٹوٹے پھوٹے جملوں کی عزت افزائی، کبھی فون سے اور کبھی خطوط سے خاکوں کی ثنا خوانی، یقیناً اس بے لوث محبّ سے ایسا استقلال اور ایسی استقامت ملی کہ تعب وتکان کا تصور معدوم و موہوم، خاکسار جیسے کتنے خاکساروں کے لیے امید کی کرن، مجھے ایسے بیشمار مصنفین کے اسماء گرامی معلوم ہیں جن کی دست گیری کے لیے ہمہ وقت عنایت، وہ علم دوست، دردمند اور مونس وغمخوار ہے، ایسے پیارے شخص کو دنیا عبدالوہاب خاں سلیم کے نام سے جانتی ہے، جس کے لیے یہاں صرف عبدیت ہے تعلی نہیں۔ (صفحہ۔۱۲)

رئیس احمد صمدانی نے وہاب صاحب کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے، یہ

پاکستان لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس جرنل، کراچی (Pakistan library & information Science Jorunal,Karchi) کی جلد ۴۲ کے شمارہ ۱ (مارچ ۲۰۱۱ء) میں شائع ہوا ہے۔اس کا عنوان: ''عبدالوہاب خاں سلیم، ایک کتاب دوست'' ہے۔اس میں وہ خاں صاحب کی کتاب دوستی اور جمع آوری کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

عبدالوہاب خاں سلیم کے بارے میں ڈاکٹر غنی الاکرام سبزواری نے اپنی سوانح عمری بعنوان'' کیا بیتی گئی؟ قطرہ پہ گہر ہونے تک: تلخ و شیریں حادثات اور واقعات پر مبنی آپ بیتی''(۲۰۰۹ء) میں وہاب صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ'' وہاب صاحب نے ایک بار بتایا کہ ان کے پاس اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی کی تقریباً دس ہزار کتابیں جمع ہوگئی ہیں۔ان میں کثیر تعداد حج اور عمرے کے سفرناموں کی ہے۔ان میں بعض تو بہت ہی نایاب اور کمیاب نسخے ہیں جو انہوں نے ہندوستان، پاکستان اور امریکہ کے کتب خانوں سے فوٹو کاپی کروا کر محفوظ کیے ہیں۔ایسے ہی ادبی رسائل اور سوانحی کتابوں کی بھی بڑی تعداد ہے۔مجلّات ہندوستان اور پاکستان سے کافی منگائے ہیں۔ان کا حافظہ ماشاء اللہ کافی غضب کا ہے۔میرا خیال ہے ان کو ساری کتابوں کے مندرجات ازبر ہیں۔جب بھی گفتگو ہوتی ہے مصنفین کے حالات، واقعات سرگزشت اس طرح سناتے ہیں، عقل دنگ رہ جاتی ہے۔میں نے انہیں کئی بار کہا کہ آپ

اپنے ذخیرۂ کتب کی کتابیات (؟ فہرست یعنی کیٹلاگ) مرتب کریں، چھپوا میں دوں گا، لیکن یہ کام ابھی تک نہیں ہوسکا'' (صفحہ۔۴)

اس سوانحی مضمون میں رئیس احمد صمدانی نے خاں صاحب کی شخصیت کے اس پہلو کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ جو آج کل ''جنس کمیاب'' کی حیثیت رکھتا ہے یعنی اپنے اساتذہ کا احترام۔ مکین کے ساتھ تو ایک جذباتی تعلق ہوتا ہی ہے، لیکن مکان کے ساتھ ویسا ہی تعلق رکھنا بہت شاذ ہی نظر آتا ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو نہ صرف محبت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مودت کے پہلو کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ صمدانی صاحب کی تحریر کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

> عبدالوہاب خاں سلیم بزرگوں خصوصاً اور اپنے اساتذہ کا حد درجہ احترام کرتے ہیں۔ استادوں کی تعظیم کرنا، ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر جھکے رہنا، نظر نہ اٹھانا جیسے مناظر میں نے اپنی آنکھوں سے اس وقت دیکھے جب وہاب صاحب جامعہ کراچی کے شعبہ لائبریری سائنس میں طالب علم تھے۔ میں ان سے جونیئر تھا لیکن وہاب صاحب کو مؤدبانہ انداز میں اساتذہ کے سامنے متعدد بار دیکھا۔ استاد سے حد درجہ عقیدت اور محبت کی مثال جس کا ذکر ڈاکٹر سبزواری نے اپنی سوانح عمری میں کیا اپنی نوعیت کی منفرد مثال ہے۔ سبزواری صاحب جب جامعہ کراچی میں استاد تھے تو وہاب صاحب ایم۔اے کر رہے تھے۔ سبزواری صاحب جامعہ کراچی کے کیمپس میں اور وہاب صاحب ہاسٹل میں رہا کرتے تھے۔ وہاب صاحب اکثر اپنے استاد کے گھر

جایا کرتے تھے۔وہاب صاحب ایم اے کرنے کے بعد امریکہ چلے گئے اور سبزواری صاحب مکہ المکرّمہ چلے گئے۔ سبزواری صاحب لکھتے ہیں کہ ”ایک دفعہ وہاب صاحب امریکہ سے پاکستان گئے، جامعہ کراچی کیمپس جاکر سبزواری صاحب کے سابقہ مکان سی ۴۰ بھی گئے۔اس مکان میں اُس وقت جامعہ کے ایک دوسرے استاد رہائش پذیر تھے۔وہاب صاحب نے ان سے ملاقات کی اوران سے کہا کہ اُس مکان میں میرے استاد رہا کرتے تھے، میں ان کے پاس آیا کرتا تھا، مجھے ان سے بہت عقیدت تھی اوراب بھی ہے۔آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس مکان کے دروازے کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ ان استاد صاحب نے کہا ضرور۔وہاب صاحب نے دروازے کو بوسہ دیا اور جانے لگے تو وہ استاد صاحب وہاب صاحب کوعزت سے گھر میں لے گئے، کچھ خاطر مدارت کی اور فرمایا:”میں حیران ہوں کہ آپ اپنے استاد سے اس قدر محبت کرتے ہیں۔ہم تو ایسے شاگردوں کو ترستے ہیں“۔کچھ اسی قسم سے وہاب صاحب نے سبزواری صاحب کے مکہ المکرّمہ سے واپس آ جانے کے بعد سبزواری صاحب کے مکہ المکرّمہ والے گھر بھی تشریف لے گئے اور مالک مکان جو کہ عربی تھا سے اجازت لے کر دروازہ کو بوسہ دیا۔یہ ہے اپنے بزرگوں خصوصاً اساتذہ سے انتہائی محبت اور عقیدت جس کا علمی مظاہرہ وہاب خاں سلیم صاحب نے کیا۔(صفحہ۔۵)

ایک اور کتاب: ''خطوط بنام جاوید اقبال''، مرتبہ جاوید اقبال سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور کی جانب سے ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ایک مکتوب ڈاکٹر سید معین الرحمٰن مرحوم کا شامل ہے۔ اس میں وہاب صاحب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا کہ خاں صاحب جاوید اقبال کی خودنوشت: ''اپنا گریباں چاک'' کے نسخے اپنے احباب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر مصنف کے Autograph کے متمنی ہیں۔ یہ خط ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن

الوقار، ۵۰۔ لوئر مال/ لاہور

۱۰۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء

محترم جاوید اقبال صاحب

السلام علیکم!

عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کی جانب سے آپ کی کتاب: ''اپنا گریباں چاک'' درج ذیل اصحاب کی خدمت میں آپ کے Autograph کے ساتھ بھجوانا ہے:

۱۔ جگن ناتھ آزاد، جموں

۲۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، دہلی

۳۔ ڈاکٹر مغنی تبسم، حیدر آباد دکن

۴۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد، علی گڑھ

۵۔ عبدالوہاب خاں سلیم، نیویارک

۶۔ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، لاہور

۷۔ رشید حسن خاں، شاہجہاں پور

۸۔ افتخار مانوی، دہلی

۹۔ حسن نظامی ثانی، دہلی

۱۰۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار، رامپور

۱۱۔ اسلوب احمد انصاری، علی گڑھ

کتاب کے گیارہ نسخے آپ کے آٹوگراف کے لیے بھیج رہا ہوں۔ زحمت فرمایئے۔ ملک یا بیرونِ ملک کچھ اور اصحاب کی خدمت [میں] کتاب بھیجنا مقصود ہو تو ان کے اسماء اسی کاغذ پر لکھ دیجیے۔ اس کا اہتمام کر کے مجھے اور محترم وہاب صاحب کو خوشی ہوگی۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

نیاز مند

معین

(صفحہ۔۹۰۔۹۱)

اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاب صاحب کتابوں کو خرید کر اپنے احباب کو تحفہ کے طور پر بھجوانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ خاں صاحب کے تعلقات نامور ادیبوں کے ساتھ استوار ہیں۔ اس سے ان کی ادب پروری کی صفت نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے۔

اسی کتاب میں وقار مانوی کا ایک خط شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی عبدالوہاب خاں سلیم کا ذکر ہے۔ وقار مانوی نے خاں صاحب کی اسی صفت کا اظہار کیا ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس خط کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

۱۰۔۰۱۔۰۴

محترمی جناب جاوید اقبال صاحب

السلام علیکم!

عرض ہے کہ منادی کے دو شمارے ارسالِ خدمت ہیں۔ محترم حسن ثانی نظامی صاحب نے آپ کی خودنوشت ''اپنا گریباں چاک'' کے اقتباسات اس میں شائع کئے ہیں۔ موصوف کو یہ کتاب میں نے پہنچائی تھی۔ مجھ پر یہ کرم عبدالوہاب خاں سلیم صاحب (نیویارک) نے بتوسط پروفیسر سید معین الرحمٰن فرمایا تھا۔ یہاں آپ کی خودنوشت کو بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ زبان و بیان کی جو سطح آپ نے مقرر فرمائی ہے، وہ یقیناً موجودہ دور میں عروج اُردو کے لیے بہت ضروری ہے۔ ہر چند کہ آپ کی عالمانہ اور مدبرانہ شخصیت کی تعریف چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہے۔ پھر بھی تعریف کیے بغیر جی نہیں مانتا۔ اللہ آپ کے مراتب بلند کرے۔ آمین۔

اپنا ایک شعری مجموعہ' وقارِ ہنر بھی خدمت میں ارسال کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، قبول فرمائیں۔ کوئی خدمت ہو تو بندہ حاضر ہے۔ والسلام

خادم اُردو

وقار مانوی

(ایڈیٹر جہان رضا، لاہور)، مرتبہ محمد عالم مختار حق ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔اس کو مکتبہ نبویہ، لاہور نے شائع کیا۔اس میں ڈاکٹر مختار الدین احمد خاں صاحب کا بہت اچھے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے یہ خط ۳۱۔اکتوبر ۱۹۹۸ء کو علی گڑھ سے پیرزادہ صاحب کو تحریر کیا۔اس میں وہ پروفیسر محمد اسلم مرحوم کی وفات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔متعلقہ اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

آپ نے سات اکتوبر کو پروفیسر محمد اسلم کی وفات کی خبر دینے کے لیے جس وقت کارڈ اٹھایا ہوگا اس سے کئی گھنٹے پہلے مجھے یہ افسوناک اطلاع مل گئی تھی۔لاہور اور کراچی سے نہیں، ایک مشترک دوست نے صبح سات بجے نیویارک سے فون کر کے ان کی وفات کی خبر سنائی۔یہ پاکستانی دوست علم وادب کے شیدائی اچھی کتابیں پڑھنے، خریدنے اور جمع کرنے کے شوقین عبدالوہاب سلیم ہیں جن کے یہاں اسلم صاحب ابھی ہفتوں قیام کر کے حرمین شریفین اور پھر پاکستان پہنچے تھے۔کیا کہوں اس اچانک اور غیر متوقع خبر پر کس قدر افسوس ہوا۔فوراً بیگم صاحبہ کو لے کر اسلم صاحب کے برادر نسبتی خورشید احمد (مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے صاحبزادے) کے گھر ''الریحان'' گیا تعزیت کے لیے۔ان کے پاس ابھی تک اطلاع نہیں آئی تھی، اس لیے یہ خبر بہت احتیاط سے اور کچھ رک رک کر انہیں اور ان کی اہلیہ (بنت قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی مرحوم) کو سنائی۔واپس آ کر ریحانہ اسلم سلمہا کو تعزیت کا خط لکھا۔خدا مرحوم کی تربت ٹھنڈی

رکھے، انہیں اعلیٰ علیّین میں جگہ دے اور پسماندہ گان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اب رسالہ تہذیب الاخلاق میں تحقیق والا حصہ کون چھاپے گا۔ کون پابندی سے طویل خطوط لکھے گا۔ لاہور بلکہ پاکستان کی علمی اور ادبی خبریں کون سنائے گا اور کون لاہور میں مجھے ائیرپورٹ پر لینے اور پھر واپس پہنچانے جائے گا۔ اخبار کے دو تراشوں کی جگہ صرف ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی لکھی ہوئی مرحوم کے بارے میں ایک تحریر ملی جو ''نوائے وقت'' میں چھپی ہے۔ دوسرا تراشہ ظاہراً کاغذوں میں دب گیا ہے، بہر حال مل جائے تو بھیج دیجیے۔

(صفحہ۔۸۹)

ڈاکٹر مشیر احمد اپنی کتاب: ''خطوط غالب کے ادبی محاسن'' (۲۰۱۲ء) کے مقدمہ میں خاں صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''میں اپنی اس حقیر کاوش کا انتساب نیویارک میں مقیم میرے مشفق الحاج عبدالوہاب خاں سلیم کے نام کرنا مناسب تصور کرتا ہوں''

(صفحہ۱۳)

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر نے ''کتاب المحبّر'' از علامہ ابی جعفر محمد ابن حبیب بغدادی (م۔۲۴۵ھ) کے اُردو ترجمہ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ابتدائیہ میں خاں صاحب کا شکریہ ادا کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں جزوی مالی تعاون کیا۔ ان کے الفاظ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

عبدالوہاب خاں سلیم کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ میرا ان سے پہلا

رابطہ میرے سفرنامہ نجد وحجاز ''دشت امکاں'' کے حوالے سے ہوا تھا، انہوں نے اس کتاب کا ذکر کہیں پڑھا تو حصول کتاب کے لیے رابطہ کیا، امریکہ (نیویارک) میں مقیم ہیں، ہندوستان اور پاکستان کے علمی حلقوں میں اپنی علم پروری کے سبب جانے جاتے ہیں، جب انہیں کتاب المحبرَ کا علم ہوا تو خود سے اس میں اپنا حصہ ڈالنے کا عندیہ دیا، میں ان کے جزوی مالی تعاون پر ان کی شکر گذار ہوں۔

(صفحہ۔۲۷۔۲۸)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی کتاب بعنوان: ''نذرِ سلیم (عبدالوہابؒ خاں سلیم)'' ۲۰۱۲ء میں شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔اس میں ان کا ایک مضمون: ''عبدالوہابؒ خاں سلیم'' شامل ہے ۔یہ وہی مضمون ہے جو اصلاحی صاحب کی کتاب ''لالہ وگل'' میں شائع ہوا تھا۔اس کے آخر میں مصنف نے چار صفحات کا اضافہ کیا ہے۔جس میں ابوالحسن نغمی کی ایک گفتگو کا بیان ہے جو انہوں نے فون پر کی تھی۔اس میں انہوں نے وہاب صاحب کا ذکر بھی کیا۔اس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

بات ''لالہ وگل'' سے چلی تو چلتی ہی رہی۔گویا ہوئے کہ یہ کتاب مجھے عبدالوہاب خاں سلیم نے مرحمت فرمائی جو کتابوں کے حد درجہ رسیا ہیں، کیا ہی خوبصورت وخوب سیرت ہیں، کتابیں چھپوانا، چھپوا کر تقسیم کرنا اور کتابیں بٹورنا آپ کا مسلک ومذہب، خاں صاحب کے پاس کتابوں بالخصوص حج کے سفرناموں کا ایک بڑا ذخیرہ ہے، نغمی صاحب (نے) مزید نغمہ ریز ہوتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی انجمن

عشاق سلیم کا ایک ادنیٰ سا ممبر ہوں، گا ہے بگا ہے خاں صاحب کی عشق وحمیت سے سرشار ہوتا ہوں، اور اس سرشاری میں خاکسار کو جلیل مانکپوری نظر آنے لگتے ہیں۔

جلیل ختم نہ ہو دور جام مینائی
کہ اس شراب سے بڑھ کر کوئی شراب نہیں

(صفحہ۔۲۷)

ڈاکٹر اصلاحی نے اپنے مطبوعہ مضمون میں جن چار صفحات کا اضافہ کیا ہے، اس کے آخری پیراگراف میں خاں صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

۔۔۔خاں صاحب راہِ انسانیت کے دائمی مسافر لیکن انہیں ذرہ برابر احساس اذیت نہیں، بلکہ یہ مسافت شرافت ان کے لیے باعث فرحت وانبساط، انسانوں کے کام آنا، اعزا کے دکھ درد بانٹنا، ادباء اور شعراء کی مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنا اور علم ومعرفت کو فروغ دینا آپ کے لیے مسرت آگیں۔ اہلِ علم وادب دست بدعا ہیں کہ خاں صاحب کی مست ومسحور کن ہوائیں یوں ہی چلتی رہیں اور پیغام محبت پھیلاتی رہیں۔ احقر بھی ایسے شخص اور ایسے خاندان کے لیے بحضور ایزدی ایستادہ ہے کہ انہیں طمانیتِ قلب سے سرفراز کیا جائے تاکہ یہ سرفرازی دکھیاروں کے لیے مشعل حیات ثابت ہو۔ (صفحہ۔۳۱)

اس کتاب ''نذر سلیم'' میں راقم السطور کے نام عبدالوہاب خاں سلیم کے پانچ خطوط کو بھی شامل کیا ہے جو میرے مرسلہ مضمون سے انتخاب کر کے شامل کیے

ہیں۔اس کا عنوان: ''مکاتیب عبدالوہاب خاں سلیم بنام سید جمیل احمد رضوی'' قائم کیا گیا ہے۔اگر میرے اس پورے مضمون کو شامل کتاب کرلیا جاتا تو خاں صاحب کے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں سفر ملازمت کا پورا منظر سامنے آجاتا۔بہرحال اب یہ مضمون راقم کی اس کتاب بعنوان: ''عبدالوہاب خاں سلیم (پیکر جود وعطا)'' کا حصہ ہے اور اس دور میں لائبریری کی تاریخ پر روشنی ڈالتا ہے۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی ''نذر سلیم'' کی ترتیب وتدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

---ہمارے عبدالوہاب خاں سلیم ایسے ہی خوش نصیب اور خوبصورت انسانوں میں سے ہیں، انہیں اللہ نے خودشناسی اور مردم شناسی دونوں صفتوں سے متصف کیا ہے۔اسی اتصاف واتصال نے ہمیں ''نذر سلیم'' کی ترتیب وتدوین کی طرف راغب کیا۔(صفحہ۔۸)

اصغر عباس کتاب: ''مسافرانِ لندن'' (از مولوی سمیع اللہ خاں) کے آغاز میں ''شروع کی بات'' میں لکھتے ہیں:۔

اس کتاب کی تیاری میں اُردو سفرناموں کے دلدادہ اور میرے کرم فرما نیویارک کے جناب عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کے اصرار کو بہت دخل ہے۔انہوں نے نیویارک سے مجھے عمدۃ المطابع امروہہ سے چھپا ہوا مسافران لندن کا ایک نسخہ بھی بھیجا تھا۔زیرنظر سفرنامہ کی طباعت میں انہوں نے جزوی طور پر مالی اعانت بھی کی ہے جس کے لیے میں دل سے ان کا شکرگزار ہوں اور ان کی درازیٔ عمر اور صحت کے لیے دعاگو ہوں۔(صفحہ۔۲۲)

خاں صاحب ۱۹۷۳ء میں امریکہ چلے گئے اور انہوں نے نیویارک میں رہائش اختیار کرلی۔انہوں نے خطوط کے ذریعے برابر رابطہ رکھا۔پرانی رفاقت کو یاد رکھا۔انسان شناسی کا رویہ اختیار کیے رکھا۔احترامِ آدمی کو پیشِ نظر رکھا۔علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:۔

آدمیت احترام آدمی

با خبر شو از مقامِ آدمی

پرانے رفقائے کار کے متعلق پوچھتے رہے۔مجھے معلوم ہے کہ بعض زیردستوں کی دستگیری بھی کرتے رہے۔ان کا یہ انداز جودوسخا اب بھی قائم ہے۔

دوست آن دانم کہ گیرد دستِ دوست

در پریشان حالی و در ماندگی

اس باب میں ان کی جودوسخا کا ذکر زیادہ رہا۔فیاضی اور سخاوت فضائل اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔اگر مال کے ساتھ سخاوت ہوتو وہ انسان کی عظمت کو چار چاند لگا دیتی ہے۔شیخ فریدالدین عطارؒ نے ''پندنامہ'' میں سخاوت کے متعلق کہا ہے:۔

در سخا کوش اے برادر در سخا

تا بیابی از پس شدت رخا

☆☆☆

در رخِ مردِ سخی نور و صفاست

زانکہ درجنت قرینِ مصطفےٰ ست

حق تعالیٰ بر درِ جنت نوشت

اینکہ جائے اسخیا باشد بہشت

پھر فرماتے ہیں:۔

باسخا باش و تواضع پیشہ گیر
تا شود روئے دلت بدرِ منیر

گذشتہ دو ڈھائی سال سے خاں صاحب فون پر برابر رابطہ رکھتے ہیں۔ احباب کی خیروعافیت کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں۔سوال ہوتا ہے کہ احباب میں سے کون اللہ کو پیارا ہوگیا؟ گذشتہ دنوں ان کا فون آیا۔یہی سوال کیا۔میں نے افسوس کے ساتھ بتایا کہ فرخندہ لودھی صاحبہ کا ۵۔مئی ۲۰۱۰ء کو انتقال ہوگیا۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔خاں صاحب نے سن کر بہت افسوس کیا۔کافی دیر تک ان کی باتیں ہوتی رہیں۔وہ بھی لائبریرین تھیں۔شہرت افسانہ نگاری کی وجہ سے حاصل ہوئی۔انہوں نے کالج لائبریرئینز کے لیے بھی بہت کام کیا۔

خاں صاحب نے راقم السطور کو گذشتہ دو سالوں میں بہت سی کتب علمی تحفہ کے طور پر بھجوائیں۔کراچی سے معراج جامی صاحب کی وساطت سے بہت بڑا پیکٹ بھجوایا۔پروفیسر رفیع الدین ہاشمی صاحب کی وساطت سے متعدد کتب وصول ہوئیں۔علی گڑھ سے بھی کتابیں آتی رہیں۔ان پر لکھا ہوتا ہے:''عبدالوہاب خاں سلیم کی طرف سے علمی تحفہ''۔مجھے اعتراف ہے کہ ان کی توجہ سے میرے ذاتی ذخیرۂ کتب میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔میں جب خاں صاحب کے ان تحائف کو دیکھتا ہوں تو مجھے عربی کے معروف شاعر متنبّی کا یہ شعر یاد آتا ہے:۔

اعزّ مکان فی الدنیٰ سرج سابح
و خیر جلیس فی الزمان کتاب

بے شک زمانے میں بہترین رفیق کتاب ہے۔ خاں صاحب نے اس کو عزیز رکھا اور اس متاعِ عزیز کو دوسروں میں تقسیم بھی کیا۔ خداوندِ عالم ان کو صحبت و سلامتی سے رکھے۔ ان کی توفیقات میں مزید اضافہ کرے۔

☆☆☆

باب ششم:

چند مطبوعہ خطوط اور ایک مضمون

ہمامنان بٹ نے اپنی تالیف: ''پروفیسر نسیم فاطمہ: شخصیت اور کام'' میں خاں صاحب کے تین خطوط شامل کیے ہیں۔ یہ ان کے خط میں شائع ہوئے ہیں۔ پہلے دو خطوط حج کے سفرناموں کے بارے میں ہیں۔ تیسرے خط میں خاں صاحب نے ڈاکٹر نسیم فاطمہ صاحبہ کو اپنی خودنوشت لکھنے کی ترغیب دلائی ہے۔ پہلے دو خطوط کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرمین شریفین کے سفرناموں کی جمع آواری میں کس قدر بے تاب رہتے تھے بلکہ آج تک اس پیرانہ سالی میں کتابوں کو جمع کرنے میں نہایت دلچسپی سے سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں۔ وہ راقم السطور کے ساتھ اکثر فون پر طویل گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ ان کی گفتگو سے آسانی کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کو کتابوں کے مطالعہ کا ازحد شوق ہے۔ وہ اپنا زیادہ وقت اخبارات ورسائل اور کتب کے پڑھنے میں گزارتے ہیں۔ اب ان کے خطوط کو نقل کیا جاتا ہے:۔

<u>نیویارک</u>

۶۔ ستمبر ۱۹۹۴ء

عزیزہ نسیم فاطمہ صاحبہ!

السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ اس سے پیشتر بھی میں نے کئی خطوط تحریر کیے۔ حسبِ معمول جواب سے محروم ہوں۔ بھائی غنی الاکرم صاحب کی ہدایت کے مطابق یہ خط آپ کو اس لیے تحریر کررہا ہوں کہ میرا وہ حج کے سفرناموں کی عکسی کاپیاں والا کام کردیجیے گا۔ تمام عکسی کاپیاں بذریعہ بحری ڈاک نیویارک ارسال کروا

دیجیے گا۔ میرا اتمام کام رکا پڑا ہے۔ آپ سے خصوصی گزارش ہے کہ آپ مجھ پر خصوصی عنایت فرما کر ہمارا یہ کام کردیجیے گا۔

خط کا جواب ضرور دیجیے گا۔

میری اہلیہ خورشید سلیم آپ کو سلام کہہ رہی ہیں۔

فقط

عبدالوہاب خاں سلیم

بیگم خورشید سلیم

(صفحہ۔۲۳۳)

دوسرا خط بھی حج کے سفرناموں سے متعلق ہے:۔

نیویارک

۹۔ اگست ۱۹۹۴ء

محترمہ نسیم فاطمہ صاحبہ!

السلام علیکم۔

امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔

اس سے پیشتر بھی ایک خط برادرم غنی الاکرم سبزواری صاحب کے کہنے پر آپ کو تحریر کیا تھا اور آپ سے یہ گزارش کی تھی کہ کراچی یونیورسٹی لائبریری کے لائبریرین صاحب سے حج کے سفرناموں کی فوٹو اسٹیٹ آپ لے لیں اور میرے پتہ پر نیویارک بذریعہ بحری ڈاک ارسال کردیں۔ اس ضمن میں ایک ہزار روپیہ کا چیک اکرم

صاحب نے آپ کو امریکہ سے ارسال کر دیا تھا۔

ابھی تک مذکورہ حج کے سفرناموں کی فوٹو اسٹیٹ میں نے وصول نہیں کی ہیں۔ کیا آپ نے بذریعہ بحری ڈاک ارسال کر دی ہیں؟ براہِ کرم میرے خطوط کا جواب دیجیے گا۔

اکرم صاحب ۶ جولائی کو سعودی عرب چلے گئے تھے۔ آج کل ان کی بیگم صاحبہ ہمارے ہاں نیویارک میں مقیم ہیں۔ آج وہ بھی سعودی عرب کے لیے روانہ ہو جائیں گی۔

آپ سے میری اور میری اہلیہ خورشید سلیم کی خصوصی گزارش ہے کہ آپ ہمارا یہ کام کر دیں اور بذریعہ خط ہمیں اطلاع دے دیں۔

شکریہ

فقط

عبدالوہاب خاں سلیم

بیگم خورشید سلیم

(صفحہ۔۲۳۴)

یہ تینوں خطوط ہما منان بٹ کی کتاب: ''ڈاکٹر نسیم فاطمہ: شخصیت اور کام'' سے لیے گئے ہیں۔ اس کتاب پر تبصرہ آمنہ خاتون نے لکھا جو ''پاکستان لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس جرنل''، کراچی کی جلد ۴۱، شمارہ ۲ (جون ۲۰۱۰ء) میں شائع ہوا۔ اس تبصرہ کے آخر میں انہوں نے وہاب صاحب کا نام لکھے بغیر ان کو ہدیۂ تبریک پیش کیا ہے۔ متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

''اس کتاب میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں قابل قدر ہیں اور مصنفہ اس کے لیے بہت مبارک باد کی مستحق ہیں، ساتھ ہی وہ لوگ مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے ان سے یہ کام کرایا اور ان کی مدد کی'' (صفحہ۔ ۲۷)

جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت میں خاں صاحب نے مالی تعاون کیا ہے۔ لکھے ہوئے الفاظ کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ لکھنے والا پیوند خاک ہو جاتا ہے۔

یلوح الخط فی القرطاس دھراً
و کاتبہ رمیم فی التراب

اس کتاب میں شامل تیسرے خط میں نسیم فاطمہ صاحبہ کو اپنی خودنوشت تحریر کرنے کے متعلق ترغیب دلائی گئی ہے۔ اگرچہ محترمہ اس کام کے لیے قائل نہ ہوئیں، لیکن ہمامنان بٹ صاحبہ نے یہ کام کیا اور عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کی حوصلہ افزائی کرنے اور مالی امداد دینے کا اعتراف کیا ہے۔ اس خط کو بھی ذیل میں شامل کیا جاتا ہے:۔

نیویارک

یکم اگست ۲۰۰۵ء

محترمہ نسیم فاطمہ صاحبہ!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔ اس عنایتِ خاص کے لیے شکرگزار ہوں۔ نیویارک سے باہر بوسٹن جارہا ہوں۔ ایک ہفتہ کے

بعد آپ کو تفصیل سے خط لکھوں گا۔بس اس خط کو اپنے خط کی رسید سمجھیے گا۔عزیزہ ہما منان بٹ کو بھی خط تحریر کروں گا۔

مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے اپنی خودنوشت لکھنا شروع کر دی ہے۔اس خودنوشت کی اشاعت میں جو بھی خرچہ ہوگا،سب ادا کروں گا۔گذشتہ روپیہ آپ کے پاس ہے۔جو کمی ہوگی میں اور دے دوں گا اور خوشی سے دوں گا۔بس آپ ہمت کر کے خودنوشت مکمل کر لیں۔یہ پہلی خودنوشت ہوگی جو کہ کسی لائبریرین نے لکھی ہے۔
آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں۔ فقط۔

عبدالوہاب خاں سلیم

پھر اس مکتوب کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

یہ خط بہت جلدی میں تحریر کیا ہے۔آپ کو پڑھنے میں پریشانی ہوگی۔
معذرت خواہ ہوں۔

یہ خط خاں صاحب نے اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔اس پر ان کی نئی رہائش گاہ کا پتہ لکھا ہوا ہے۔خط کے شروع میں تیر نما نشان دے کر لکھتے ہیں:۔

یہ ہمارا نیا پتہ ہے۔

براہ کرم نئے پتے پر خط تحریر فرمایا کیجیے گا۔(صفحہ۔۲۳۵۔۲۳۶)

وہاب صاحب کا ایک مطبوعہ مکتوب عکسی صورت میں: "مکاتیب رشید حسن خاں بہ نام رفیع الدین ہاشمی" (۲۰۰۹ء) میں شامل ہے۔یہ مشفق خواجہ کی وفات کے ایک سال ہونے پر لکھا ہے۔اس مکتوب کو پڑھ کر اس گہرے قلبی لگاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا

ہے جو وہاب صاحب کو خواجہ صاحب کے ساتھ تھا۔اس کو یہاں پر نقل کیا جاتا ہے:۔

۲۔فروری ۲۰۰۶ء

جناب رشید حسن خان صاحب!

سلامِ شوق۔مزاج گرامی۔

آج ۲۱ فروری ہے، آج ایک سال ہو گیا کہ ہمارے عزیز دوست مشفق خواجہ اپنے خالق کے پاس چلے گئے۔

مرحوم آپ سے بھی بہت محبت کرتے تھے اور اس خاکسار کو بھی عزیز خاص سمجھتے تھے۔

وہ چلے گئے ہیں، میں یتیم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔آمین۔

۲۱ فروری کو آپ کے وقت کے مطابق ۷ بجے شام فون کرتا رہا۔رابطہ نہ ہو سکا۔۔۔کسی دن دوبارہ فون کروں گا۔

خاکسار

عبدالوہاب خاں سلیم

(صفحہ۔۱۸۶)

عادل عثمانی مرحوم (م۔۲۰۰۹ء) کی وفات پر وہاب صاحب نے ڈاکٹر غنی الاکرم سبزواری کو ایک تعزیتی مکتوب ارسال کیا جو پاکستان لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس جرنل، کراچی کی جلد ۴، شمارہ ۴ (دسمبر ۲۰۰۹ء) میں شائع ہوا۔اس تعزیت نامہ کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔اس سے خاں صاحب نے مرحوم کے تعلق کے متعلق

معلومات ملتی ہیں۔ان کی اپنی تعلیم (ایم ۔اے ،لائبریری سائنس) کے متعلق بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے:۔

جناب ڈاکٹر غنی الاکرم سبزواری صاحب ،سلام شوق ،مزاج گرامی۔

آپ کے فون سے مجھے معلوم ہوا کہ محمد عادل عثمانی صاحب کا جدہ میں انتقال ہوگیا اور ان کی میت کو مکہ مکرمہ میں غارِ حرا کے قرب میں رب کعبہ کے سپرد کر دیا گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجھے اور میری اہلیہ خورشید سلیم کو اس خبر وحشت اثر سے بہت افسوس ہوا۔مرحوم سے ہمارے تعلقات تھے ،یہاں نیویارک میں وہ اپنی اہلیہ مرحومہ اور بیٹے کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لائے تھے اور ہمیں میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا۔میں ان کو ،ان کی اہلیہ اور بیٹے کو نیویارک کی سیر پر لے گیا تھا۔اس وقت کی مجھے سب باتیں یاد آرہی ہیں۔مرحوم مجھ پر بہت مہربان تھے ،جب میں ۱۹۷۰ء۔۱۹۷۱ء میں شعبہ لائبریری سائنس کا طالب علم تھا ،مرحوم سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ان کے برادران سے بھی میرے تعلقات تھے۔

مرحوم ایک اہلِ علم خاندان کے فرد تھے اور خود بھی اہلِ علم تھے ،کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ان کی کچھ کتابیں میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔

پاکستان میں لائبریری سائنس کی ترقی کے لیے ان کی خدمات یاد رکھی جائیں گی۔ڈاکٹر معید ،ڈاکٹر انیس خورشید چلے گئے ،سید جلال

الدین حیدر بھی چلے گئے، اب محمد عادل عثمانی بھی اپنے خالق حقیقی کے پاس چلے گئے[۱۴] انسان مجبور ہے، کچھ نہیں کرسکتا۔ ہم سب دعاگو ہیں، حق تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، اور اہلِ خانہ اور احباب کو صبر جمیل حاصل ہو، آمین۔

عبدالوہاب خاں سلیم

نیویارک، امریکا

عادل عثمانی مرحوم کے متعلق خاں صاحب نے تعزیت نامہ غنی الاکرم سبزواری صاحب کو ارسال کیا جو مذکورہ رسالے میں شائع ہوگیا۔ مرحوم لائبریرین شپ (Librarianship) کے پیشہ میں ایک قدرآور شخصیت تھے۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ بھی ان کا گہرا تعلق تھا۔ محبِ وطن پاکستانی تھے۔ پاکستان میں اس پیشہ میں اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ام القریٰ یونیورسٹی طائف، سعودی عرب میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مرحوم نے ۱۶ مارچ ۱۹۸۶ء کو مجھے ایک مفصل مکتوب بھیجا تھا جس میں اپنا تعارف کرایا تھا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور اس کے تدریسی شعبہ لائبریری سائنس کے بارے میں کچھ معلومات بھیجنے کے لیے لکھا تھا۔ ان کا یہ خط بہت اہم ہے۔ میں اس کو ذیل میں درج کررہا ہوں تاکہ محفوظ ہو جائے، ورنہ اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ یہ مکتوب انہوں نے اپنے لیٹر ہیڈ پر تحریر کیا تھا۔ اس کو ضمیمہ کی صورت میں بھی ان کے اپنے خط میں بھی شامل کیا جارہا ہے۔

الطائف

محترم سید جمیل احمد رضوی صاحب!

السلام علیکم۔

مزاج گرامی۔

امید ہے آپ معہ متعلقین بخیریت ہوں گے۔

قبل اس کے کہ خط لکھنے کا مقصد بیان کروں مختصراً اپنا تعارف کروا دوں۔ کتب خانہ جامعہ کراچی، اور شعبہ لائبریری سائنس میں مختلف حیثیتوں سے خدمات انجام دینے کے بعد جنوری ۸۳ء (۱۹۸۳ء) میں لائبریرین کی حیثیت سے ریٹائرمنٹ لے کر اس وقت سعودی عرب میں خدمات انجام دے رہا ہوں۔ لیکن اپنے وطنِ عزیز کی خدمات یہاں رہ کر بھی اپنا فرض عین سمجھتا ہوں۔ کچھ لکھنے پڑھنے سے بھی واسطہ رہا ہے اس لئے وہ سلسلہ پاکستان کے تعلق سے جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ پاکستان لائبریری بلٹن کی ادارت کے فرائض بھی اب تک انجام دے رہا ہوں اور تمام احباب کے تعاون کی بنا پر یہ رسالہ ابھی تک زندہ ہے۔ اسی سلسلہ میں کبھی کبھی پاکستان کے مختلف اداروں سے رابطہ رکھنے کی سعی کرتا رہتا ہوں اور اس طرح احباب سے بھی رسم و راہ باقی ہے۔

گذشتہ دنوں دو خطوط انوار الحق صاحب کو بھیجے لیکن غالباً مصروفیت کی بناء پر جواب نہ دے سکے ہوں گے۔ چونکہ مجھے وہاں کی مصروفیات کا اندازہ ہے خصوصاً دو دو شعبوں کی سربراہی، اس لیے کوئی شکایت نہیں۔ البتہ معلومات مجھے بہر صورت درکار ہیں۔

برادرم ڈاکٹر ممتاز انور صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی تو انہوں نے آپ کا تعارف کرایا اور پتہ دیا اور کہا کہ میں آپ سے رابطہ قائم کروں تو آپ ضرور جواب دیں گے اور مطلوبہ معلومات بھی فراہم کرسکیں گے۔اس لیے آپ کو یہ بے جا زحمت دینے کی جسارت کررہا ہوں۔

آمدم برسرِ مطلب:۔

۱۔مجھے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی تمام مطبوعات کی ایک مکمل فہرست پوری کتابیاتی تفصیلات کے ساتھ درکار ہے۔اس میں شائع شدہ مخطوطات کے کیٹلاگ ، کتابوں، رسائل، مقالات وغیرہ کی فہارس۔اسی طرح اگر کوئی Accession list یا ببلیوگرافی شائع ہوتی ہو یا ہوئی ہو، معہ تاریخ اجراء وغیرہ۔

۲۔شعبۂ لائبریری سائنس کا سلیبس ،اور شعبہ کی اگر کوئی مطبوعات ہوں تو ان کی بھی تفصیلی فہرست۔

۳۔شعبہ میں جو تھیسیس (Theses) لکھے گئے ہوں ان کی بھی فہرست۔یا اس وقت زیرِ تکمیل ہوں۔(اگر ممکن ہو، زیادہ زحمت نہیں دینا چاہتا)۔

آپ کے جواب کا مجھے انتظار رہے گا۔اور میں آپ کا انتہائی مشکور رہوں گا۔زحمت کے لیے پیشگی معذرت۔

اگر آپ بھی مصروفیت یا کسی اور وجہ سے یہ کام نہ کرسکیں تو براہ کرم جواب خواہ نفی ہی میں ہو ضرور دیجیے تاکہ میں کوئی دوسرا دروازہ

کھٹکھٹانے کی سبیل کروں۔ انوار الحق صاحب اور دوسرے احباب و رفقاء کار کو سلام عرض کیجیے۔ فقط۔ والسلام۔

احقر و نیا مند

عادل عثمانی

اس مکتوب سے مکتوب نگار کی شرافت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ خط میری ذاتی فائل میں محفوظ ہے۔ میرا معمول تھا کہ جواب دینے کے بعد مرسلہ لفافہ پر Replied لکھ دیتا تھا اور اس کے نیچے اپنے مختصر دستخط کر کے تاریخ درج کر دیتا تھا۔ ان کے بھیجے گئے مکتوب کے لفافہ پر میں نے یہی لفظ لکھ کر مختصر دستخط کیے ہوئے ہیں اور ۶۔ اپریل ۱۹۸۶ء کی تاریخ ڈالی ہوئی ہے۔ یعنی میں نے مرحوم کو مذکورہ تاریخ کو جواب ارسال کر دیا تھا۔

عادل عثمانی صاحب کا شمار ان قابلِ قدر لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پاکستان بنتے دیکھا بلکہ تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا۔ ان لوگوں میں امانت و دیانت کی صفات موجود تھیں۔ انہوں نے وطن عزیز کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ رئیس احمد صمدانی نے اپنی کتاب: ''یادوں کی مالا'' (۲۰۰۹ء) میں عثمانی صاحب کے بارے میں لکھا:۔

''عادل عثمانی صاحب ایک عظیم اور انمول انسان ہیں۔ ان کی شخصیت میں سادگی کا رچاؤ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ منکسر المزاجی ان کی طبیعت کا جزو ہے۔ جامعہ کراچی کے بڑے کتب خانہ کی سربراہی طویل عرصہ کی، لیکن ہم نے آج تک کوئی منفی بات آپ کے بارے

میں نہیں سنی۔آپ کے کردار کی بلندی کا یہ حال ہے کہ آپ نے کبھی
کسی بک سیلر یا کسی شخص سے کوئی ادنیٰ سی چیز لینا اپنے لیے کسرِ شان
تصور کیا۔آپ کو تحفہ میں ملنے والی تمام کتب جامعہ کراچی کے ذخیرہ
میں شامل ہیں۔آپ نے اپنا ذاتی کتب خانہ مرتب نہیں کیا۔جو
کتابیں آپ کے پاس تھیں سعودی عرب جاتے ہوئے انہیں ڈاکٹر
محمود حسین لائبریری کو دے گئے۔(صفحہ۔۷۶)

مجھے عبدالوہاب خاں سلیم کی مضمون کی صورت میں اکلوتی تحریر کتاب بعنوان:''آئینہ فن وشخصیت میں وقار مانوی''،مرتبہ ڈاکٹر ظفر مرادآبادی میں ملی۔یہ کتاب سلیم صدیقی نے دہلی سے ۲۰۱۰ء میں شائع کی۔اس میں دہلی کے معروف شاعر وقار مانوی کے متعلق مقالات اور مضامین شامل ہیں۔اس میں خاں صاحب کا ایک مضمون:''پیکرِ وضع داری اور خوش گوشاعر —— وقار مانوی'' بھی شامل ہے۔ وقار مانوی نے وہاب صاحب کے کہنے پر راقم السطور کو یہ کتاب بھجوائی۔اس کے ساتھ ایک خط بھی ارسال کیا۔موصوف کے اس خط کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔اس خط میں انہوں نے یہ کتاب بھجوانے کے متعلق وضاحت کی ہے:۔

۷۔اکتوبر ۲۰۱۰ء

محترمی۔آداب۔

مزاج گرامی۔

مجھے آپ سے غائبانہ تعارف حاصل ہے۔آپ کے دوست محترم

عبدالوہاب خاں سلیم (نیویارک) کے ارشاد کی تعمیل میں ایک کتاب ادبی تحفہ کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قبول فرمائیں۔

بخدمت عالی:۔

جناب جمیل احمد رضوی صاحب،

لاہور۔

طالب خیر

وقاؔر مانوی

اب خاں صاحب کے اس مضمون کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اُردو شاعری کے ساتھ ان کی دلچسپی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:۔

پیکرِ وضع داری اور خوش گو شاعر ـــــ وقاؔر مانوی

عبدالوہاب خاں سلیم (نیویارک)

سادہ و سلیس زبان، نکھرا ہوا بیان، شگفتہ لب و لہجہ اور دلکش پیرایۂ اظہار، ان تمام خصوصیات کے حامل پیکر خوش معانی کو وقاؔر مانوی کہتے ہیں۔

وقاؔر مانوی زائد از نصف صدی سے ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا سے بے نیاز عروس شاعری کے گیسو سنوارنے میں مصروف ہیں۔ کلاسیکی غزل میں اپنی شناخت بنا لینے والے وقاؔر مانوی کے چار شعری مجموعے ''وقارِ سخن'' (۱۹۷۸ء) ''وقارِ آگہی'' (۱۹۹۱ء) ''وقارِ ہنر'' (۱۹۹۸ء) اور ''وقارِ ادب'' (۲۰۰۴ء) میں منصۂ شہود پر آ کر

مقبولیت اور پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔

فنی معائب کی نشان دہی اور محاسن کلام پر روشنی ڈالنا تو ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کیونکہ تنقیدی بصیرت سے ہر شخص آسودہ نہیں ہوتا۔ دراصل یہ کام صاحبانِ نقد و نظر کا ہے انہی کو زیب بھی دیتا ہے البتہ جہاں تک فہم و شعور کا معاملہ ہے وہ بساط بھر ہر شخص رکھتا ہے اور اس کا اظہار بھی کر سکتا ہے باوجود اس کے اپنے خیالات کے اظہار سے پہلے میں ان اکابرین ادب اور دانشوران وقت کی مختصر آراء کا حوالہ دینا زیادہ ضروری سمجھتا ہوں جو وقارؔ مانوی کی شاعری کے بارے میں وہ تحریر فرما چکے ہیں۔ مثلاً مشہور زمانہ ادیب و نقاد اور محقق پروفیسر نثار احمد فاروقی رقم طراز ہیں:

''وقارؔ مانوی کی سب سے نمایاں اور ظاہری خوبی تو یہ ہے کہ انہوں نے اُردو شاعری کی اچھی روایتوں کا احترام کیا ہے۔ وقارؔ مانوی حضرت مانی جائسی کے شاگرد ہیں جو شاعری کے رموز و قواعد پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور زبان و بیان کی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وقارؔ صاحب نے زبان کی شائستگی اور بیان کی پختگی کا ہنر مانیؔ صاحب سے سیکھا اور اسے نبھایا ہے۔ میں ان کی شاعری کا ہی نہیں ان کی شرافت نفسی، اخلاق اور شائستگی کا بھی معترف رہا ہوں۔ وقارؔ صاحب کے کلام میں پختگی اور وقار ہے''۔

(وقارِ آگہی، صفحہ۔ ۶۔ ۷)

اپنے دور کے ایک اور اہم ناقدفن اور مقبول شاعر جناب مخمور سعیدی فرماتے ہیں:

''وقارؔ مانوی سے میرا تعارف برسوں پرانا ہے یہ اور بات ہے کہ کچھ

توان کی کم آمیز طبیعت اور کچھ میری خوئے تنہا روی نے اس تعارف کو قریبی تعلق کی منزل تک نہیں پہونچنے دیا لیکن جب بھی کہیں ان کا کلام سننے کا موقع ملا ان کی خوش گوئی کا احساس ہوا اور میرے نزدیک یہی وہ وصف ہے جو کسی شاعر کی عزت و وقعت کا ضامن ہوسکتا ہے''۔ (وقارِ آگہی صفحہ۔۱۴۔۱۵)

برصغیر کے ایک اور عظیم شاعر ودانشور حضرت تابش دہلوی (کراچی) کے الفاظ یہ ہیں:

''وقار مانوی کا نرم و ملائم لہجہ ان کی غمگینی کا آئینہ دار ہے۔ ان کا شائستہ اسلوب تہذیبی روایات کی پاسداری کی علامت ہے۔ مضامین شعری کا تنوع ان کے خوش فکر ہونے کا ثبوت ہے''۔ وقار آگہی (پشت ٹائٹل)

بزرگ ومحترم شاعر اور مستند نقادفن جناب مظہر امام فرماتے ہیں:

''وقار مانوی دہلی کے مشاعروں میں اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ مشاعروں اور ادبی محفلوں مین اپنے کلام کی نفاست اور اپنے ترنم کی لطافت دونوں کے باعث سرآنکھوں پر بٹھائے جاتے ہیں۔ ان کا کلام دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شعری صلاحیت انہیں فطرت کی جانب سے ودیعت ہوئی ہے۔ وہ روایت کے آداب سے آشنا ہیں''۔ (وقارِ ہنر صفحہ۔۵۔۶)

ملک کے معروف ناقدفن اور محقق ڈاکٹر تنویر احمد علوی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

''وقار مانوی بہت کم آمیز کم گو اور کم سخن ہیں۔ وہ ہلکی پھلکی غزل کہتے ہیں۔ ان کے یہاں فکر اور فن کی سطح ہموار ہے، سادہ ہے جس نے

ان کے دھیمے دھیمے لہجہ سے مل کر ایک طرح کی پُر کاری اپنے اندر پیدا کر لی ہے"۔(وقارِ آگہی صفحہ۔۱۱۔۱۲)

مذکورہ بالا ناقدین کی آرا سے وقارؔ مانوی کی فن کارانہ عظمت کا تو اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔آیئے اب وقارؔ کو خود ان کے آئینۂ افکار میں بھی دیکھ لیں۔حمد و نعت کے زیر عنوان چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تُو کب نہیں تھا، کب نہیں ہوگا، خدا ہے تو
قبلِ ہر ابتدا، پسِ ہر انتہا ہے تو

کس وصف کا بیاں ہو کہ ہر وصف تجھ میں ہے
معبود تو ہے، لائقِ حمد و ثنا ہے تُو

میں کیوں نہ چاہوں غمِ دو جہاں کا تجھ سے علاج
دیا ہوا یہ غمِ دو جہاں بھی تیرا ہے

سجود میرے ہیں لیکن یہ تیرا در جانے
کہ ان میں کیا کوئی شایانِ شاں بھی تیرا ہے

رتبہ ہر ایک نبی کا ہے خیرالورا کے بعد
ہیں آپ سب سے ارفع و اعلیٰ خدا کے بعد

جنت ہر امتی کا مقدر ہے مومنو
چاہے سزا سے پہلے ملے یا سزا کے بعد

خواب میں رہتا ہوں مصروفِ طوافِ کعبہ
خواب کچھ بھی سہی، تعبیر مگر روشن ہے

غمِ مدینہ لیے کب سے گھر میں بیٹھا ہوں
بس اب سفر کی بشارت حضور، میرے حضور

نعت وہ صنف سخن ہے جس میں بیشتر شعرائے کرام سے لاشعوری طور پر لغزش سرزد ہو جاتی ہے جس کا سبب بیان میں کہیں غلو کا غلبہ کہیں مراتب کا مناسب تعین نہ کرنا ہوتا ہے لیکن وقاؔر اس صنف میں بھی ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ ویسے بھی وقاؔر مانوی کا کلام مبالغہ آرائی اور حشو و زوائد سے پاک ہے۔ ان کے کلام میں روایت کی پاسداری ضرور ہے مگر تازہ کاری کے ساتھ۔

عبادت کے موضوع پر چند اشعار دیکھئے۔

کبھی سر کو جھکانے کا خیال آیا تھا راحت میں
رگڑتا پھر رہا ہے سر جواب دورِ مصیبت میں

جو بخشش کا سبب ٹھہرے جو نازِ بندگی بن جائے
کوئی ایسا بھی سجدہ ہے تری عمرِ عبادت میں

وہ نازِ بندگی وہی سرمایۂ نجات
اک سجدہ ہو قبول اگر عمر بھر میں بھی

پلکوں کا ترے در کے تصور میں جھپکنا
سجدہ ہے، لکھا جائے عباداتِ نظر میں

رنگِ تغزل، رعنائی خیال کے مظہر چند اشعار:

میں رہ نہ جاؤں کہیں تیرا آئینہ بن کر
یہ دیکھنا نہیں اچھا سنور سنور کے مجھے

ہم جیسی دادِ حسن نہ دے گا یہ آئینہ
آخر ہمیں کو دیکھو گے تم آئینے کے بعد

خاموش بھی رہتا ہے جو وہ جانِ تکلم
ہوتی ہے اداؤں سے عیاں شانِ تکلم

باعثِ دیوانگی تم ہو یہ تم بھی مان لو
مجھ کو دیوانہ جو کہتے ہو میں دیوانہ سہی

مدعائے دل اگر پا جائے گی
وہ نظر پھر اور بھی تڑپائے گی

گزری ہوئی خوشیوں سے تعلق ہے بس اتنا
ان سے ابھی یادوں کے دریچے نہیں خالی

نہ ہوں محرومِ جلوہ اس لیے ہم ان کی محفل سے
جب آتے ہیں تو آنکھوں کو وہیں پر چھوڑ آتے ہیں

کم سے کم یہ وضعداری یہ چلن تو سیکھ لو
اس سے خوش ہو کر ملو تم سے جو خوش ہو کر ملے

اس میں خدشہ آئینے کے ٹوٹ جانے کا بھی ہے
یوں نہ دیکھا کیجئے سج کر، سنور کر آئینہ

ایک ہی صورت ہے منظر میں بھی، پس منظر میں بھی
ایک ہی چہرہ ہو جیسے آئینہ در آئینہ

ہاں مری بربادیٔ دل پر دو آنسو ہی سہی
یا یہ کہتا جا کہ تجھ سے یہ بھی ہو سکتا نہیں

کھل کر تم ان سے بھی نہ ملے جن سے قرب تھا
اور ہم کہ جس کسی سے ملے ٹوٹ کر ملے

وہ حادثے جو وجہِ تباہی بنے وقاؔر
ان میں سے کچھ تو گھر کی ہی دہلیز پر ملے

کسے بتائیں کہ اس جانِ زندگی کے بغیر
جئے کچھ ایسے ہمیں جیسے زندگی نہ ملی

پئے نظارہ تو اٹھتی ہے ہر نظر لیکن
ہوس سے پاک جو ہوتی ہے بد نہیں ہوتی

وقاؔر آسان ہے گہرے سے گہرے زخم کا بھرنا
نہیں بھرتا کسی بھی طرح لیکن بات کا گھاؤ

کیا خبر کب، کون سے عالم میں دیکھا تھا تجھے
اپنے عالم میں ابھی تک تیرا دیوانہ نہیں

یہ کیا کم ہے مسلسل دور رہ کر بھی رہے قائم
وہ اک وابستگی ہم تم میں جو باہم ہے برسوں سے

اپنے ان پسندیدہ اشعار کو نذر قارئین کرتے ہوئے میں وقاؔر مانوی اور ڈاکٹر ظفؔر مراد آبادی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کی درازی عمر کی دعا کرتا ہوں۔

(صفحہ۔۱۲۵۔۱۲۶)

☆☆☆

حواشی

[۱] محمد انوار الحق قریشی (پ ۱۵۔ جنوری ۱۹۳۵ء) پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے ۱۹۵۹ء سے منسلک ہوئے۔ لائبریری اسسٹنٹ، اسسٹنٹ انچارج، اسسٹنٹ لائبریرین، ڈپٹی چیف لائبریرین اور چیف لائبریرین کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں انہیں شعبۂ لائبریری سائنس، جامعہ پنجاب کے چیئرمین کا اضافی چارج بھی دے دیا گیا۔ لائبریری علامہ اقبال کیمپس (اولڈ کیمپس) اور شعبہ لائبریری سائنس قائداعظم کیمپس (نیو کیمپس) میں واقع تھا۔ درمیان میں خاصا فاصلہ تھا۔ دونوں کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرنا مشکل تھا۔ بالآخر یونیورسٹی انتظامیہ نے ان کے مشورے سے نصیر احمد صاحب کو لائبریری کا انتظامی چارج دے دیا اور انوار صاحب کو صرف چیئرمین کے فرائض سونپ دیے گئے۔ انوار صاحب غالباً ۱۹۹۴ء [☆] میں ریٹائر ہو گئے۔ شاید چیف لائبریرین کی حیثیت سے ریٹائر کیے گئے۔ میں نے چند روز پہلے ان سے اس بارے میں پوچھا، تو ان کو واضح طور پر اس بارے میں یاد نہیں تھا۔ آج کل بڑھاپے کے عوارض کا سامنا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا کرے اور سلامتی سے رکھے۔

[۲] عبدالدیان صاحب خاں صاحب کے سگے بھائی تھے۔ بچپن میں ان کو پیار سے ''گوریلا'' کہا کرتے تھے۔ وہاب صاحب نے ان کو امریکہ بلا لیا تھا۔

[☆] بعد میں مجھے اپنی ایک ڈائری میں انوار الحق قریشی صاحب کی ریٹائرمنٹ کی تاریخ ۱۴۔ جنوری ۱۹۹۵ء (بعد دوپہر) ملی۔ ۱۴۔ جنوری ان کا آخری کام کا دن (Last working day) تھا۔

ان کا انتقال اچانک ۲۔اپریل ۲۰۱۱ء کو عارضہ قلب کی وجہ سے ہو گیا۔ ۳۔اپریل کو نیویارک میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ایک دن کے لیے مرحوم کی میت کو سرد خانہ میں رکھوا دیا گیا۔۵۔اپریل کو ان کے جسد خاکی کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور کے لیے روانہ کر دیا گیا۔وہاب صاحب کی بڑی بیٹی عزیزہ نوشابہ سلمہا اللہ تعالیٰ ساتھ آئیں۔۶۔اپریل کو رات آٹھ بجے کے قریب یہ فلائٹ لاہور ائیر پورٹ پر پہنچی۔اگلے روز یعنی ۷۔اپریل کو ان کی نماز جنازہ بی۔آر۔او کالونی کی مسجد کے باہر ایک کھلے احاطے میں بعد نماز ظہر ادا کی گئی۔راقم السطور، محترم محمد ہارون عثمانی، پروفیسر رفیع الدین ہاشمی اور ان کے فرزند بھی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ان کے اعزہ واقرباء اور احباب نے کافی تعداد میں شرکت کی۔

مرحوم بہت شریف النفس تھے۔اوائل عمر میں اکثر لائبریری میں آیا کرتے تھے۔امریکہ جانے کے بعد بھی دو تین بار وہاب صاحب کا پیغام لے کر لائبریری میں مجھے ملنے کے لیے آئے۔مرحوم کے ساتھ ان کے فرزند عبدالعزیز بھی لائبریری میں آئے۔انہوں نے نماز جنازہ کے موقع پر مجھے کہا: ''انکل Uncle میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔میں ابّا کے ساتھ آپ کے پاس لائبریری میں دو تین بار گیا تھا''۔

عبدالوہاب خاں سلیم صاحب نے مجھے ان کی وفات کے بعد باخبر رکھا۔ تین روز مسلسل فون کرتے رہے۔جب پہلے روز (۴۔اپریل) انہوں نے مجھے فون کیا تو میں نے ان کی گفتگو سے محسوس کیا کہ وہ بہت پریشان ہیں۔

اگلے روز بھی انہوں نے تفصیلی بات کی۔ میں نے ان کو بتایا کہ رات میں نے آپ کے انداز گفتگو سے بہت پریشانی محسوس کی۔ کہنے لگے: فطری بات ہے۔ میرا مرحوم سے خونی رشتہ تھا۔ وہ یہاں نیویارک میں میرے دہشت و بازو تھے۔ میرے بہت سے کام بھی کردیا کرتے تھے۔ بہت اچھے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے جانے سے بہت خلا محسوس ہورہا ہے۔

میں نے خاں صاحب سے کہا کہ سب کچھ خداوند عالم کے دستِ قدرت میں ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ کوئی اور سبب پیدا کردے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ حق تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند کرے اور ان کے پس ماندگان اور اعزہ کو صبرِ جمیل عطا کرے۔

[۳] راقم السطور کے والد حکیم سید بشیر احمد رضوی (وفات ۱۰۔فروری ۱۹۹۲ء)، فتح والہ مشمولہ کالا افغاناں، ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب۔ بھارت) میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ پرائمری کا امتحان مقامی پرائمری اسکول سے پاس کیا۔ پھر ورنیکلر مڈل سکول کلانور میں داخل ہوئے۔ آٹھویں جماعت میں تھے کہ سکول کی تعلیم ترک کردی۔ پھر حافظ محمد دین کلانوری (وفات ۱۹۵۲ء) سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولوی الٰہی بخش صاحب میاں کوٹی سے بھی صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کالا افغاناں چلے گئے اور وہاں مولوی میر حسن مرحوم سے گلستان، بوستان اور زلیخا جامی درساً پڑھیں۔ مولوی صاحب فارسی کے فاضل تھے اور بہت ہی پارسا اور

خدارسیدہ بزرگ تھے۔ان کے بہت سے روحانی واقعات کالا افغاناں کے معمر افراد بیان کیا کرتے تھے۔کچھ دیر بٹالہ میں مشائخ فاضلیہ بٹالویہ کے مدرسہ میں بھی پڑھتے رہے۔چند روز مکان شریف میں بھی پڑھتے رہے،لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے واپس آ گئے۔علم طب کی تعلیم آپ نے دادا جی (حکیم سید غلام علی مرحوم) سے حاصل کی۔آپ ۱۹۴۷ء تک دلیل پور میں مطب کرتے رہے۔آپ نے یہاں ایک ذاتی کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جو ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوگیا۔قیامِ پاکستان کے بعد چک نمبر ۱۳۲ گ۔ب (گوگیرہ برانچ) فیصل آباد میں مطب چلاتے رہے۔طب کے شعبے میں آپ نے کافی شہرت حاصل کی۔آپ کا انتقال اسی چک میں ۱۰۔فروری ۱۹۹۲ء کو ہوا۔اگلے روز ان کو مقامی قبرستان میں دفن کیا گیا۔[بحوالہ ''حکیم محمد موسیٰ امرتسری (یادداشتوں کے آئینے میں)''، ص۔۸۱۔۸۲]

[۴] راقم السطور کی بڑی بیٹی راشدہ زہراء کا انتقال ۱۶۔دسمبر ۱۹۹۲ء کو میو ہسپتال میں ہوگیا تھا۔مرحومہ کو اسی روز نصف شب کے قریب قبرستان گلشن راوی (جی۔بلاک)،لاہور میں دفن کردیا تھا۔بہت سے احباب نے مرحومہ کی تاریخ وفات کہی۔برادر عزیز سید احسن عمرانی نے غم زدہ باپ کے جذبات کی ترجمانی ان اشعار میں کی:۔

منہ زمانے سے تو نے موڑ لیا
رابطہ زندگی سے توڑ لیا

یوں خفا زندگی سے ہو جانا
مر گئی تو، دل نہیں مانا
مجھ پہ بیتی ہے کیا، یہ کس سے کہوں
ہوا مفقود زندگی کا سکوں
رات دن تیری یاد میں رونا
تیرے ماتم میں جان و دل کھونا
جو بھی آیا ہے اس نے جانا ہے
لیکن جانے کا اک زمانہ ہے
تیرا آئے گا، جب کبھی سپنا
دل سکوں پائے گا تبھی اپنا
سر سے سَرکے نہ تیرے اب مقنعہ
عدم آباد ہے تیرا سکنہ
سایۂ زہرا ءؑ میں تو رہے شاداں
مشکلیں تیری سب ہوں آساں

(سید احسن عمرانی)

[۵] اے۔رحیم (پ ۳۱ مارچ ۱۹۱۹ء امرتسر) نے ۱۹۴۰ء میں ایف۔سی۔کالج، لاہور سے ایم۔اے انگریزی کا امتحان پاس کیا۔انہوں نے ۱۹۵۴ء میں ٹورنٹو یونیورسٹی (کینیڈا) سے بی۔ایل۔ایس (بیچولران لائبریری سائنس) کا امتحان پاس کیا۔وہ ۱۹۵۵ء میں یونیورسٹی لائبریرین (موجودہ چیف

لائبریرین) کے منصب پر فائز کیے گئے۔انہوں نے ۲۵ سال تک اسی منصب پر کام کیا۔وہ ۳۰۔مارچ ۱۹۷۹ء کو اس عہدہ سے ریٹائر ہو گئے۔ انہوں نے کئی بار رجسٹرار، جامعہ پنجاب ،لاہور کے فرائض بھی سرانجام دیے۔انھیں اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر ملکہ حاصل تھا۔راقم السطور کو ڈپلوما اِن لائبریری سائنس اور ایم ۔اے (لائبریری سائنس) میں ان سے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ان کا لیکچر بہت دلچسپ ہوتا تھا۔خاص طور پر ان کا انگریزی میں لیکچر کلاس کو بہت متوجہ رکھتا تھا۔ان کے اندازِ تدریس میں ادبی چاشنی اور لطائف و ظائف بھی شامل ہوتے تا کہ کلاس تکنیکی نکات سے اکتا نہ جائے۔رحیم صاحب عمر کے آخری حصے میں بڑھاپے کے عوارض میں مبتلا رہے۔ان کا انتقال ۸۔فروری ۲۰۱۱ء کو لاہور میں ہوگیا۔ان کی نمازہ جنازہ اسی روز پنجاب یونیورسٹی ایمپلائز کالونی، بلاک۔ای کی مسجد کے باہر نماز عصر کے بعد ادا کی گئی اور یونیورسٹی (نیو کیمپس) کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔خداوند عالم ان کے درجات کو بلند کرے۔

[٦] مس محمودہ سلطانہ نے ۱۹۶۴ء کے قریب لائبریری اسسٹنٹ (موجودہ لائبریرین) کی حیثیت سے سروس اختیار کی۔پھر ترقی کرتے ہوئے ڈپٹی چیف لائبریرین کے منصب پر فائز ہوئیں۔انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے پہلے ڈپلوما ان لائبریری سائنس اور پھر ایم۔اے (لائبریری سائنس) کی ڈگری حاصل کی تھی۔بہت محنت کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتی

رہیں۔ خاں صاحب نے اپنے کئی خطوط میں ان کو سلام پہنچانے کا لکھا ہے۔ وہ ان کی خاندانی عظمت کی باتیں بھی کرتے تھے۔ مس محمودہ سلطانہ نے زیادہ عرصہ تک شعبۂ کیٹلاگ سازی (Cataloguing Section) میں کام کیا۔ بعد میں ڈپٹی چیف لائبریرین (پبلک سروسز) کے فرائض ان کے ذمے تھے۔ مارچ ۱۹۸۸ء میں لائبریری اولڈ کیمپس سے نیو کیمپس والی عمارت (موجودہ عمارت) میں منتقل ہوگئی۔ انہوں نے نئی عمارت میں گراؤنڈ فلور پر لائبریری کو منظّم کرانے میں نہایت محنت کے ساتھ کام کیا۔ فسٹ فلور پر لائبریری کی تنظیم کی منصوبہ بندی راقم السطور کے ذمے تھی۔ نصیر احمد صاحب (قائم مقام چیف لائبریرین) اولڈ کیمپس والی عمارت میں منتقلی کے دوران (مارچ تا جون ۱۹۸۸ء) لائبریری کے امور کی نگرانی کرتے رہے۔ مس محمودہ ۳۰۔ جون ۱۹۹۵ء کو یونیورسٹی سے ریٹائر ہوگئیں۔ اب وہ ریٹائرڈ زندگی کے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔

[۷] نصیر احمد صاحب فروری ۱۹۹۵ء میں ایک سال کی رخصت (ایل۔ پی۔ آر) پر چلے گئے اور فروری ۱۹۹۶ء میں قائمقام چیف لائبریرین کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ انہوں نے غالباً ۱۹۵۹ء کے قریب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں لائبریری اسسٹنٹ (موجودہ لائبریرین) کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ بعد میں سیکشن انچارج کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ پھر اسسٹنٹ لائبریرین (موجودہ سینئر لائبریرین) کے منصب پر فائز ہوئے۔ بعد میں ڈپٹی چیف لائبریرین کی اسامی پر ان کا انتخاب ہوا اور تقرری

ہوگئی۔ جب محمد انوار الحق قریشی صاحب کو شعبۂ لائبریری و انفارمیشن سائنس، جامعہ پنجاب، نیوکیمپس (قائداعظم کیمپس) میں تبدیل کر دیا گیا، تو ان کے ذمے لائبریری کے انتظامی امور کی دیکھ بھال کا کام لگایا گیا۔ ۱۹۸۸ء میں لائبریری، نیوکیمپس میں نئی عمارت میں منتقل کی گئی تو انہوں نے اس منتقلی کے کام کے لیے بہت محنت کے ساتھ منصوبہ بندی کی۔ جون ۱۹۸۸ء تک یہ کام مکمل ہوگیا۔ یہاں پر اس امر کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔اے لائبریری سائنس کی کلاس کا اجراء ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ کلاس کے طلبہ / طالبات کی تعداد اٹھائیس تھی۔ ان میں راقم السطور (سید جمیل احمد رضوی) اور نصیر احمد صاحب بھی شامل تھے۔ یوں مجھے ان کے ساتھ ایک سال پڑھنے کا موقع ملا۔ بالفاظ دیگر ہم دونوں کلاس فیلو (ہم جماعت) ہوگئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ امریکہ جانے لگے ۔اب وہ امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔ کبھی کبھی لاہور آتے ہیں۔

[۸] ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اُردو زبان و ادب کی خدمات کے لیے ان کی علمی کاوش قابلِ قدر اور قابلِ ستائش ہے۔ ''قومی انگریزی اُردو لغت'' کے ایڈیٹر ہیں۔ یہ ۱۹۹۲ء میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام سے شائع ہوئی۔ یہ انگریزی اُردو لغت نویسی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ''وہ تاریخ ادب اُردو'' کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اس کی شائع شدہ جلدیں اس حقیقت کی غماز ہیں کہ انہوں نے اُردو ادب کی تاریخ نویسی میں ایک نئے اندازِ فکر کو متعارف کرایا ہے۔

ڈاکٹر صاحب جامعہ کراچی کے وائس چانسلر اور مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین بھی رہے۔ راقم السطور کے ساتھ بہت خلوص اور شفقت سے پیش آتے رہے۔ جب وہ مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین تھے تو انہوں نے مسلسل احقر سے رابطہ رکھا۔ ان کے قریباً اسی (۸۰) خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ علمی اور تحقیقی کاموں سے متعلق ہیں۔ ان کو انشاء اللہ چھپوانے کا ارادہ ہے۔ اس دوران جب وہ لاہور آتے تو لائبریری میں ضرور تشریف لاتے۔ ایک بار لائبریری میں تشریف لائے۔ فرمانے لگے میں ملتان میں پی ایچ۔ ڈی کے زبانی امتحان کے سلسلے میں آیا تھا۔ لاہور اس لیے آیا ہوں تا کہ آپ (راقم السطور) اور ڈاکٹر صدیق جاوید سے ملاقات ہو جائے۔ شفقت اور محبت کا یہ انداز ایسا ہے جواب عنقا نظر آتا ہے۔ امانت ودیانت اور حب الوطنی کی صفات ڈاکٹر صاحب کے اوصاف میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

۱۶۔ دسمبر ۱۹۹۲ء کو میری بڑی بیٹی راشدہ زہراء کا انتقال ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے مجھے ایک تعزیت نامہ ارسال کیا۔ اس کو پڑھ کر طبیعت پر ایسا اثر ہوا جس سے صبر کرنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ان کے یہ تعزیتی مکتوب کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

۱۴۔ فروری ۱۹۹۳ء

محترمی سید جمیل احمد رضوی صاحب، السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ:

ابھی ابھی گرامی نامہ ملا جس سے یہ افسوس ناک خبر ملی کہ آپ کی جواں سال

بیٹی ۱۶۔ دسمبر ۱۹۹۲ء کو اپنے معبود حقیقی سے جا ملی۔ اس خبر سے مجھے انتہائی دکھ ہوا۔ میں لاہور میں تھا لیکن جب کاموں سے فارغ ہوا تو تین بج رہے تھے اور اسی وجہ سے لائبریری نہ آسکا۔ اس افسوس ناک خبر کی اطلاع نہ ڈاکٹر صدیق جاوید نے دی اور نہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے ورنہ میں سب کام چھوڑ کر پُرسے کے لیے آپ کے پاس آتا۔ ایک باپ کی حیثیت سے آپ کے جذباتِ غم کا مجھے پوری طرح احساس ہے اور اس غم کو لفظوں کے ذریعے کم یا ہلکا نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے کہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، فردوس بریں میں درجات بلند سے سرفراز کرے اور جملہ پسماندہ گان کو بالعموم اور والدین کو بالخصوص صبر جمیل سے نوازے۔ رضوی صاحب میں انشاء اللہ جیسے ہی لاہور آیا پُرسے کے لیے آپ کے پاس آؤں گا۔ حوصلہ رکھیئے۔ اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی اور اللہ ہی اپنی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ بیگم صاحبہ کو بھی میری طرف سے پُرسہ دے دیجیۓ گا۔ اللہ تعالیٰ انھیں صبر دے اور عزیزی راشدہ کو فردوس بریں میں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

آپ کا مخلص
جمیل جالبی

بخدمت گرامی:

جناب سید جمیل احمد رضوی صاحب،

ڈپٹی چیف لائبریرین،

پنجاب یونیورسٹی لائبریری،

قائداعظم کیمپس،

لاہور۔۵۴۵۹۰۔

[۹] محمودالحسن عارف صاحب اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور میں ان دنوں ایسوسی ایٹ چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔ شروع میں جب انہوں نے اس ادارہ میں سروس اختیار کی، تو اس وقت اس کے چیئرمین ڈاکٹر سید عبداللہ (م ۱۹۸۶ء) تھے۔سید صاحب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور کے پرنسپل (از ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۶ء) کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دے چکے تھے۔انہوں نے غالباً ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخر میں عارف صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ ڈپلوما لائبریری سائنس کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کلاس میں داخلہ لے لیا۔اس وقت یونیورسٹی میں سیمسٹر سسٹم رائج تھا۔اگر دو سیمسٹر کرلیے جاتے، تو ڈپلوما مل جاتا تھا۔ راقم السطور اس زمانے میں (از ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۷ء) شعبۂ لائبریری سائنس میں وزٹنگ لیکچرار کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔مجھے عارف صاحب کو پڑھانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔انہوں نے ایک سیمسٹر مکمل کرلیا۔ دوسرے سیمسٹر میں داخلہ نہ لیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ سید عبداللہ صاحب نے ان کو مشورہ دیا کہ شعبۂ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ میں مدیر کی ایک آسامی خالی ہوگئی ہے۔اس پر تقرری کے لیے درخواست دے دیں۔ چنانچہ سید

صاحب کے مشورے سے انہوں نے اس آسامی کے لیے درخواست دے دی۔ میرٹ پر ان کی تقرری بحیثیت مدیر/ایڈیٹر ہوگئی۔

عارف صاحب نے اپنے تعلیمی و تحقیقی کام کو جاری رکھا۔ انہوں نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا۔ اس پر ان کو یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی۔ ۳۔نومبر ۲۰۱۱ء کو میں نے ان سے فون پر بات کی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ مقالہ بعنوان: ''تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی'' ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور کی جانب سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی پندرہ سولہ کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی فہرست انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

آج سے تقریباً بارہ سال پہلے لاہور میں حرمین شریفین کے سفرناموں پر ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ عارف صاحب نے اس وقت اس کانفرنس کے سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے تھے۔ انہوں نے اس کانفرنس میں پڑھے گئے مقالات کو ایڈٹ کیا۔ جو ''حرمین شریفین کے سفرنامے جدید تہدیات کی روشنی میں'' کے عنوان سے رپورٹ کی صورت میں شائع ہو گئے۔

ان ہی دنوں وہاب صاحب نے اس کانفرنس کی خبریں اخبارات میں پڑھیں۔ اس کے بعد وہاب صاحب نے عارف صاحب سے رابطہ کیا۔ حرمین شریفین کے سفرنامے ایسا موضوع تھا جس میں دونوں کے علمی ذوق کی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ اس سے خاں صاحب کے تعلقات عارف

صاحب سے استوار ہو گئے۔ وہاب صاحب عارف صاحب کو خط لکھتے یا اب فون کر لیتے ہیں۔ عارف صاحب نے مجھے فون پر باتیں کرتے ہوئے بتایا کہ وہ (وہاب صاحب) بہت اچھے انسان ہیں۔ خاں صاحب نے جو خط مجھے ارسال کیا، اس میں عارف صاحب کے لیے ''مہربان دوست'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

[۱۰] پروفیسر عبدالحنان صاحب (م ۲۲ نومبر ۲۰۰۸ء) انگریزی زبان و ادب کے استاد تھے۔ خاں صاحب سے عمر میں چھوٹے تھے۔ نہایت شریف النفس انسان تھے۔ میں جب کبھی نقوش کے دفتر میں جاتا تو اورینٹل کالج کے باہر پنج پیر دربار کے قریب کتابیں بیچنے والوں کے اسٹال پر ان سے ملاقات ہو جاتی۔ بائیسکل عمر کا آخر تک استعمال کرتے رہے۔ جب ملاقات ہوتی تو خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد خاں صاحب کی باتیں شروع ہو جاتیں۔ وہ پوچھتے کیا وہاب صاحب کا کوئی خط آیا ہے یا فون آیا ہے؟ اسی طرح میں بھی ان سے ایسا ہی سوال کرتا۔ ان کی وفات کے متعلق وہاب صاحب نے مجھے فون پر بتایا تھا اور ان کی خوبیوں کا ذکر کیا تھا۔ عبدالحنان صاحب کو بھی کتابوں سے بہت محبت تھی۔ وہ غالباً اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور سے ریٹائر ہوئے تھے۔

[۱۱] خالد جاوید صاحب نے لائبریری اسسٹنٹ (موجودہ لائبریرین) کی حیثیت سے سروس اختیار کی۔ انہوں نے ڈپلوما اِن لائبریری سائنس جامعہ پنجاب، لاہور سے کیا تھا۔ اس سے پہلے ایم۔اے (عربی) اور ایم۔اے (علوم اسلامیہ) کے

امتحانات بھی اسی یونیورسٹی سے دے کر کامیابی حاصل کی تھی۔ان کی ڈیوٹی لائبریری کے اورینٹل سیکشن میں لگائی گئی۔خاں صاحب اور راقم السطور بھی اسی شعبے میں کام کرتے تھے۔ایک سیکشن میں ہونے کی وجہ سے ان کی باتیں خاں صاحب سے بھی ہوتی تھیں۔بعد میں خالد صاحب نے ایم۔اے (لائبریری سائنس) کا امتحان بھی جامعہ پنجاب سے پاس کرلیا تھا۔ ۱۹۸۶ء یا ۱۹۸۷ء میں لائبریری کے پروفیشنل سٹاف کا سٹرکچر تبدیل کیا گیا۔اس کے چار درجے بنا دیے گئے۔چیف لائبریرین،ڈپٹی چیف لائبریرین،سینئر لائبریرین اور لائبریرین۔ان کی سکیل بندی بھی کی گئی۔ اس کے نتیجے میں خالد جاوید صاحب کو ڈپٹی چیف لائبریرین (مخطوطات) بنا دیا گیا یعنی وہ شعبۂ مخطوطات کے انچارج بن گئے۔چونکہ یہ شعبہ اورینٹل سیکشن کا ہی حصہ تھا،اس لیے خالد جاوید صاحب اسی شعبے میں بیٹھتے تھے اور زیادہ تر اسی شعبے کا کام (عربی کتب کی درجہ بندی وغیرہ) کرتے تھے۔۱۹۹۵ء میں جب راقم السطور کو قائم مقام چیف لائبریرین کے فرائض سونپے گئے،تو خالد صاحب اورینٹل سیکشن مع مخطوطات کے انچارج بنا دیے گئے۔وہ ۹ جنوری ۲۰۰۱ء کو یونیورسٹی سروس سے ریٹائر ہوگئے۔اب وہ بڑھاپے کے بعض عوارض کا سامنا کررہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو صحت وسلامتی سے رکھے۔

[۱۲] محمد صدیق صاحب نے بھی پنجاب یونیورسٹی میں سروس کا آغاز لائبریری اسسٹنٹ (موجودہ لائبریرین) کی حیثیت سے کیا۔وہ کئی سال تک شعبۂ

سیاسیات میں لائبریرین رہے۔انہوں نے ڈپلوما ان لائبریری سائنس اور ایم۔اے (لائبریری سائنس) اسی جامعہ سے کیا تھا۔وہ شعبۂ لائبریری سائنس میں جزوقتی لیکچرار کی حیثیت سے پڑھاتے بھی رہے۔جب یونیورسٹی میں ڈپٹی چیف لائبریرین کی پوسٹیں (Posts) تخلیق کی گئیں تو وہ بھی ڈپٹی چیف لائبریرین کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ان کا تبادلہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں کردیا گیا۔ان کو ڈپٹی چیف لائبریرین دستاویزات (Documentation) کے فرائض سونپے گئے۔فوٹو کاپی اور مائیکروفلم سازی کا کام بھی ان کی نگرانی میں ہوتا تھا۔تعلیم بالغاں کا ایک پروگرام یونیورسٹی میں شروع کیا گیا۔اس کے پہلے انچارج ظفر عباس بھٹہ مرحوم (م ۱۲ جولائی ۱۹۹۳ء) تھے۔ان کی وفات کے بعد محمد صدیق صاحب اس کے انچارج بن گئے۔یہ پروگرام کئی سال تک چلتا رہا۔اس پروگرام کے تحت یونیورسٹی کے ناخواندہ ملازمین (بالعموم درجہ چہارم کے ملازمین) کو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔جب راقم السطور ۹۔اکتوبر ۲۰۰۱ء کو ریٹائر ہوا، تو محمد صدیق صاحب کو قائم مقام چیف لائبریرین بنادیا گیا۔وہ ۴۔نومبر ۲۰۰۳ء کو یونیورسٹی سروس سے ریٹائر ہوگئے۔وہ ماشاءاللہ اب بھی ایک این جی او میں کام کرتے ہیں۔

[۱۳] پروفیسر محمد اسلم (م ۱۹۹۸ء) اور مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی کے حوالے سے مشفق خواجہ مرحوم نے اپنے ایک خط مکتوبہ ۹۔ستمبر ۱۹۹۵ء میں مفید معلوم دی ہیں۔وہ اس خط میں لکھتے ہیں:۔

پروفیسر محمد اسلم صاحب کو مغربی پاکستان اُردو اکیڈیمی میں میری ہی تجویز پر رکھا گیا تھا لیکن فوراً ہی انھیں ڈاکٹر وحید قریشی سے شکایتیں پیدا ہو گئیں۔ بڑی مشکل سے دونوں میں صلح صفائی کرائی ہے۔ اب اس ادارے سے پروفیسر صاحب کی اپنی کتابیں بھی شائع ہوں گی۔ مولوی عبدالحق کے خطوط بنام پروفیسر اقبال شیدائی، ان کے پاس ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ انھیں مرتب کر دیں۔ میرے پاس اقبال شیدائی کے خطوط بنام مولوی عبدالحق تھے۔ یہ بھی میں نے پروفیسر صاحب کو دے دیے ہیں۔ (مکتوبات مشفق خواجہ بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد، صفحہ۔ ۱۸۳)

اس مقام پر یہ بات ریکارڈ پر لانے کی ہے کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (م ۱۷۔ نومبر ۱۹۹۹ء) کے ذخیرہ کتب کی فہرست کی جلد اوّل کو شائع کرنے کا وعدہ ڈاکٹر وحید قریشی (م ۲۰۰۹ء) نے کر لیا تھا، لیکن اس میں تاخیر ہو رہی تھی۔ جب پروفیسر صاحب نے اکیڈیمی کا چارج سنبھالا تو میں نے ۱۹۹۵ء کے شروع میں ان سے کہا کہ آپ کے حکیم صاحب سے قریبی علمی تعلقات ہیں اور میرے ساتھ بھی لائبریری کے حوالے سے پرانا رابطہ ہے۔ آپ مہربانی فرما کر اس فہرست کی جلد اوّل کو کمپوز کروانا شروع کر دیں تا کہ اس کے چھپنے کا انتظام ہو جائے۔ اسلم صاحب نے ازراہ کرم اس کی کمپوزنگ شروع کروادی۔ اپریل میں میری دائیں آنکھ میں سفید موتیا آیا۔ میں نے اپریل میں شیخ زاید ہسپتال، لاہور میں اپریشن کروالیا۔ ایک

ماہ تک لکھنے پڑھنے کا کام بند رہا۔ رخصت کے بعد جب میں دفتر حاضر ہوا اور اسلم صاحب سے ملاقاتیں ہونے لگیں، تو انہوں نے بتایا کہ یہ فہرست بہت تکنیکی نوعیت کی ہے۔ اس کی پروف خوانی کا تسلی بخش انتظام نہیں ہو رہا آخر کئی ملاقاتوں کے بعد میں نے پروفیسر صاحب سے کہا کہ اس کی پروف خوانی بھی میں کر دیتا ہوں۔ چنانچہ میں نے یہ کام شروع کر دیا۔ سپرد کیے گئے صفحات کی پروف خوانی کر کے جب میں اکیڈمی کے دفتر واقع سمن آباد میں جاتا تو اکثر پروفیسر صاحب سے ملاقات ہو جاتی۔ ان سے علمی باتیں بھی ہوتیں۔ اسی دوران وہ بلڈ پریشر کی وجہ سے چند روز ہسپتال میں داخل بھی رہے۔ میں ان کی مزاج پرسی کے لیے ان کے گھر بھی حاضر ہوا، اور ان سے ملاقات کی۔ بالآخر فہرست کی پہلی جلد ۹۰۴ صفحات پر مشتمل ۱۹۹۶ء میں شائع ہو گئی۔ جب کتاب چھپ گئی تو پروفیسر صاحب خود لائبریری میں تشریف لائے اور کتاب مجھے دکھائی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس سلسلے میں مزید معلومات کے لیے درج ذیل حوالے کو دیکھا جا سکتا ہے:۔

سید جمیل احمد رضوی، فہرست ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور)، (لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۶ء)، ص۔ ۱۸۔ ۱۹

یہاں پر اس امر کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے اس کتاب کی پروف خوانی کا برائے نام معاوضہ (Nominal

payment) بھی منظوری لینے کے بعد مجھے دلوایا تھا۔اور از راہ مزاح مجھ سے کہا تھا کہ یہ آپ کی ''دند کسائی'' (دانت گھسائی) ہے۔ میں نے اس کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے ہندو کلچر کے حوالے سے اس کی وضاحت کی۔انہوں نے اس بارے میں یہ بھی کہا تھا کہ اس معاوضے سے آپ کے اکیڈمی میں آنے اور جانے کا رکشہ کا کرایہ نکل آئے گا۔ یہ باتیں انہوں نے خوش طبعی کے طور پر مجھ سے کی تھیں۔

مشفق خواجہ صاحب، ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم اور پروفیسر محمد اسلم مرحوم کے متعلق ایک اور مکتوب میں ڈاکٹر مختار الدین احمد مرحوم کو لکھتے ہیں۔ یہ خط ۲۶۔جولائی ۱۹۹۷ء کو لکھا گیا تھا۔ان کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

ڈاکٹر وحید قریشی اقبال اکیڈمی کی نظامت سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصروف رہیں لہٰذا میں نے پروفیسر محمد اسلم صاحب کو خط لکھا کہ وہ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی سے استعفیٰ دے دیں اور اکیڈمی ڈاکٹر قریشی کے حوالے کر دیں۔ میرا خط ملتے ہی وہ ڈاکٹر قریشی کے پاس گئے اور استعفیٰ پیش کر دیا۔گویا اسلم صاحب میری گزارش پر اکیڈمی سے منسلک ہوئے اور میری ہی گزارش پر الگ ہو گئے۔اکیڈمی کی وجہ سے دونوں کے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہو گئے تھے۔دونوں پر ایک دوسرے کی شکایتیں مجھ سے کرتے تھے۔اسلم صاحب کی علاحدگی کی وجہ سے امید ہے تعلقات پہلے کی طرح خوشگوار ہو جائیں گے۔ویسے بھی اسلم

صاحب ایک تعلیمی ادارے کے تنخواہ دار ناظم ہو گئے ہیں۔ان کے پاس وقت کم ہے۔حکومت پاکستان نے پاکستان کی تاریخ لکھنے کے لیے ایک بورڈ بنایا ہے۔اسلم صاحب اس کے رکن ہیں ۔یہ بڑا اعزاز ہے۔آپ مبارک باد کا خط لکھ دیجیے گا۔اب ''تذکرہ شعرائے امرتسر'' کے لیے قریشی صاحب کو لکھوں گا۔(مکتوبات مشفق خواجہ بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد، صفحہ۔۲۳۴)

خواجہ صاحب تذکرہ شعرائے امرتسر کا ذکر کر رہے ہیں۔مجھے معلوم ہے کہ اس سلسلے کی ایک کتاب ''شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری'' ۱۹۹۶ء میں اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو گئی تھی۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ میں نے اپنے شاگرد محمد سلیم چوہدری سے کہا ہے کہ وہ حکیم صاحب کے پاس جایا کریں۔معلومات کے لحاظ سے حکیم صاحب امرتسر کا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ان سے راہنمائی لیا کریں۔پہلے امرتسر کے شعراء کے متعلق کام کا آغاز کیا ہے۔سلیم چوہدری صاحب اس وقت گورنمنٹ کالج، راوی روڈ لاہور میں تاریخ کے استاد کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔وہ اکثر حکیم صاحب کے مطلب میں جاتے اور ان سے راہنمائی لیتے تھے۔میری بھی ان سے مطلب میں ملاقات ہو جاتی تھی۔ایک بار حکیم صاحب نے ایک خط دے کر ان کو میرے پاس لائبریری میں بھیجا تھا کہ وہ کچھ کتابیں دیکھنا چاہتے تھے۔اس حوالے سے وہ کئی بار لائبریری میں آئے ۔امرتسر کے حوالے سے شاید کچھ اور کام بھی اسلم صاحب اور چوہدری صاحب کے ذہن میں تھے ۔مقصد یہ تھا کہ حکیم صاحب کے پاس جو امرتسر کے بارے میں معلومات ہیں، وہ احاطۂ تحریر میں آ کر شائع ہو جائیں

لیکن یہ کام نہ ہو سکے۔

جب ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم نے اکیڈمی کا چارج دوبارہ سنبھال لیا تو میری ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ان کی باتوں سے میں نے محسوس کیا کہ وہ شاید امرتسر کے حوالے سے کتب کی اشاعت پر خوش نہیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں پروفیسر اسلم صاحب کی پالیسی سے ان کو اختلاف تھا۔ خواجہ صاحب غالباً اسی اختلاف کی بات کر رہے ہیں۔ ممکن ہے اور وجوہات بھی ہوں۔ ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم اور خواجہ صاحب میں ایک قدر مشترک یہ بھی تھی کہ وہ باتوں باتوں میں کوئی ایسا جملہ یا فقرہ کہہ جاتے تھے جس میں طنز یا ظرافت کا پہلو شامل ہوتا تھا۔ اس کا اظہار ان کے خطوط کے مطالعہ سے بھی ہوتا ہے۔ میں نے خواجہ صاحب کو دوبار ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے دفتر میں ان کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک بار اورینٹل کالج میں جب کہ وہ اُردو کے پروفیسر تھے اس وقت ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب بھی اسی کمرے میں بیٹھتے تھے۔ دوسری بار ریواز گارڈن میں ڈاکٹر صاحب کے دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

خواجہ صاحب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو وفیات کے متعلق اطلاعات دیتے رہتے تھے۔ ان کے خطوط پڑھ کر یہ امر عیاں ہوتا ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ کی وفات پر بھی خواجہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی۔ ۹۔ دسمبر ۱۹۹۹ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

"حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کے انتقال کی خبر آپ کو مل چکی ہوگی۔ یہ سانحہ ۱۷۔ نومبر کو لاہور میں پیش آیا" (مکتوبات مشفق

خواجہ بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد، صفحہ۔۳۰۳)

[۱۴] یہ فارسی اشعار ''انتخابِ مناقبِ سلیمانیہ'' از یار محمد بن تاج محمد، مطبوعہ لاہور (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) میں موجود ہیں۔اس کتاب کا ترجمہ اللہ بخش رضا نے کیا جو منتخب المناقب کے عنوان سے ملتان میں شائع ہوا۔ان اشعار کے لیے درج ذیل حوالہ دیکھیے:۔

یار محمد ابن تاج محمد، منتخب المناقب (اُردو ترجمہ)، مترجمہ اللہ بخش رضا (ملتان: ملک محمد رفیق سنانواں، س۔ن)، ص۔۷۴۔۷۵

[۱۵] وہاب صاحب نے محمد عادل عثمانی صاحب کے علاوہ تین مرحوم شخصیات کا ذکر اپنے خط میں کیا ہے۔ان مرحومین کے متعلق سوانحی معلومات ذیل میں دی جاتی ہیں:۔

ڈاکٹر عبدالمعید: رئیس احمد صمدانی اپنی کتاب ''یادوں کی مالا'' میں ڈاکٹر عبدالمعید کے متعلق لکھتے ہیں:۔

ڈاکٹر عبدالمعید ہندوستان کے ایک معزز اور مسلمان گھرانے میں ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو بازید پور (Bazidpur)، ضلع مظفر پور، صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔۔۔(آپ نے) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہائی اسکول کا امتحان اور انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد ۱۹۴۱ء میں گریجوایشن کیا۔آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز لائبریرین کی حیثیت سے کیا۔۔۔آپ نے ۱۹۴۲ء میں اینگلو عربک کالج میں لائبریرین کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔اس دوران آپ لائبریرین شپ کی عملی تربیت کی جانب مائل ہوئے اور

۱۹۴۳ء میں کلکتہ تشریف لے گئے جہاں پر آپ بنگال لائبریری ایسوسی ایشن کے تحت منعقد ہونے والے لائبریری سائنس کے سٹرفکیٹ کے کورس میں شریک ہوئے جو کلکتہ یونیورسٹی کے لائبریرین ڈاکٹر نہار رنجن رائے کی سرپرستی میں منعقد ہو رہا تھا۔ کلکتہ کے قیام کے دوران معید صاحب لائبریرین شپ کے زیادہ قریب آگئے۔۔۔اس دوران آپ کو برطانوی ہندوستان کے نامور لائبریرینز سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا، خاص طور پر امپیریل لائبریری کے خان بہادر اسد اللہ خان (م ۲۳۔ نومبر ۱۹۴۹ء) کی صحبت حاصل ہوئی۔ معید صاحب خان بہادر سے بہت متاثر تھے۔ عام گفتگو کے علاوہ کلاس میں بھی خاں بہادر صاحب کا تذکرہ بہت احترام سے کیا کرتے تھے۔ (یادوں کی مالا ص۔ ۵۶۔۵۷)

وہ معید صاحب کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:۔

قیامِ پاکستان کے فوری بعد آپ نے دیگر مسلمانوں کی طرح ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی اور لاہور کو اپنا اولین مسکن بنایا۔ پنجاب پبلک لائبریری کے خواجہ نور الٰہی، جو اس وقت لائبریرین تھے، کے ماتحت آپ نے چیف کیٹیلاگر کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا۔ خواجہ صاحب آپ کو دہلی کے زمانے سے جانتے تھے۔ لاہور میں لائبریری سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) کے وقت پنجاب لائبریری اسکول بند ہو گیا تھا، ایسوسی ایشن کی سرگرمیاں ماند پڑ چکی تھیں اور ماڈرن لائبریرین بھی بند ہو گیا تھا۔۔۔اب تمام تر دارومدار لائبریرین شپ کے پیشے سے تعلق

رکھنے والی ان شخصیات پر تھا جنھوں نے پاکستان ہجرت کی تھی۔ ۱۹۴۸ء کے بعد ابتدائی ایام میں فضل الٰہی مرحوم، عبدالمعید اور خواجہ نور الٰہی کی کوششوں سے پہلی انجمن "پنجاب لائبریری ایسوسی ایشن" ٦۔جون ۱۹۴۸ء کو پنجاب پبلک لائبریری میں کام کرنے والے عملے کے تعاون سے معرض وجود میں آئی جس کے صدر خلیفہ شجاع الدین اور ناصر احمد سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اسی ایسوسی ایشن نے ایک ڈپلوما کورس بھی شروع کیا جس کے ڈائریکٹر فضل الٰہی مقرر ہوئے۔ سہ ماہی رسالہ ماڈرن لائبریرین، فضل الٰہی اور عبدالمعید کی ادارت میں جاری کیا، جس کے صرف تین شمارے شائع ہوسکے۔ (ایضاً ص:۵۷۔۵۸)

پھر آپ سندھ یونیورسٹی کے قیام پر کراچی منتقل ہوگئے۔ بعدازاں کراچی یونیورسٹی کے قیام پر کراچی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ لائبریرین (انچارج) کی حیثیت سے ملازمت کرلی۔ مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ایم اے ایل ایس (MALS) ۱۹۵۵ء میں مشیگن یونیورسٹی (امریکہ) سے کیا۔ ۱۹٦۴ء میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری الینونائے یونیورسٹی (امریکہ) (Uni.of Illinois,USA) سے حاصل کی۔ ان کے پروفیشنل کیریئر کے متعلق یہ مزید معلومات ہیں: لائبریرین کراچی یونیورسٹی لائبریری (۱۹۵٦ء۔۱۹۷۲ء)، لیکچرار و صدر شعبہ لائبریری سائنس جامعہ کراچی (۱۹٦۴ء۔۱۹۷۲ء)۔۔۔ آپ کا انتقال کراچی میں ۱۳ جنوری ۱۹۸۴ء کو ہوا۔

(Who's Who in library and Information

Science in Pakistan, by Dr.G.A.Sabzwari (1987),p.305.)

ڈاکٹر انیس خورشید: وہاب صاحب نے اپنے خط میں ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ لائبریرین شپ سے متعلقہ پاکستانی (پہلی اور دوسری نسل کے) خواتین وحضرات ڈاکٹر صاحب کے نام سے بخوبی واقف ہیں۔ البتہ موجودہ نئی نسل اور عام قارئین کے لیے خورشید صاحب کے متعلق مختصر معلومات درج کی جاتی ہیں۔ یہ بھی رئیس احمد صمدانی کی کتاب ''یادوں کی مالا'' سے لی گئی ہیں:۔

ڈاکٹر انیس خورشید صاحب نے کراچی لائبریری ایسوسی ایشن کے سٹرٹیفکیٹ کورس (۱۹۵۲ء) سے پیشہ ورانہ تعلیم کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۷ء میں جامعہ کراچی سے لائبریری سائنس میں پوسٹ گریجوایٹ ڈپلوما اور امریکہ کی (Rutgers State University NJ) سے ۱۹۵۹ء میں ایم ایل آئی ایس کیا ہے۔ امریکہ کی (University of Pittsburgh) سے ۱۹۶۹ء میں لائبریری سائنس میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز جامعہ کراچی کے کتب خانے سے (۱۹۵۴ء) بطور کلاسیفائر کے کیا۔ ستمبر ۱۹۵۹ء میں شعبہ لائبریری سائنس جامعہ کراچی میں آپ کا تقرر جزوقتی لیکچرار کے ہوا، بعدازاں ۱۹۶۲ء میں کل وقتی لیکچرر ہوئے اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے ۱۹۷۹ء میں پروفیسر ہوئے۔ اس دوران آپ کئی بار صدر شعبہ کے

فرائض انجام دیتے رہے اور اسی حیثیت سے ۱۹۸۶ء میں ریٹائر ہوئے
(یادوں کی مالا، ص۔۶۳)

پروفیسر انیس خورشید ۴۔جنوری ۲۰۰۸ء بروز جمعہ کراچی میں انتقال کر گئے۔

ڈاکٹر انیس خورشید مرحوم کی شخصیت بہت دھیمے مزاج کی تھی، گفتگو عالمانہ ہوتی، خود تصنیف وتالیف کے کام میں مصروف رہتے اور نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔میرا ان سے رابطہ ۱۹۸۰ء کے قریب سے تھا۔ان کے قریباً بیس خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔یہ سب ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب پر ایک تاثراتی مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔اس میں یہ خطوط بھی شامل کروں گا۔ان خطوط میں سے چند مختصر ہیں اور بعض طویل بھی ہیں۔ایک خط تو چار صفحات پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر صاحب کمال شفقت سے نامہ ارسال کرتے۔اگر پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ لائبریری وانفارمیشن سائنس یا پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے متعلق کوئی علمی استفسار ہوتا تو اس احقر کو لکھتے۔میں حتی الوسع ان کے استفسار کا جواب جلد لکھ دیتا اور بالعموم ان کی مطلوبہ انفارمیشن بھی ارسال کر دیتا۔اس رویہ سے وہ بہت خوش ہوتے اور تحسین کے کلمات سے نوازتے۔ذیل میں مرحوم کا ایک خط نقل کر رہا ہوں۔اس سے میرے بیان کیے گئے الفاظ کی تصدیق ہو جائے گی۔انہوں نے یہ مکتوب کراچی سے ۲۱ جنوری ۱۹۹۱ء کو لکھا تھا۔یہ خط بھی ایک علمی کام کے حوالے سے ہے:۔

کراچی

۲۱۔جنوری ۱۹۹۱ء

ڈیر جمیل احمد صاحب، السلام علیکم!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

جب بھی کوئی کام آن پڑتا ہے تو آپ ہی کو زحمت دیتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کے لیے مجھے معاف فرمائیں گے۔ مجھے شیبا مجید کی کتاب باقیات میراجی میں شیبا مجید کا جو تعارف/ابتدائیہ ہے، اس کی فوٹو کاپی چاہیے۔ یہاں پر یہ کتاب نہیں مل رہی ہے۔ اگر آپ فوٹو کاپی اس مضمون کی مرحمت فرمائیں تو بے حد مشکور ہوں گا۔

نصیر صاحب کو سلام کہیے۔ امید ہے کہ مارچ میں کانفرنس میں ملاقات ہوگی۔

نیاز کیش

(انیس خورشید)

اپنے نام کے اوپر انہوں نے اپنے دستخط کیے ہیں جو پڑھے نہیں جاتے۔ اس کے نیچے قوسین میں اپنا نام لکھا ہے۔ یہ مکتوب انہوں نے اپنے لیٹر پیڈ پر تحریر کیا ہے۔ ہمارے پیشہ (Profession) میں ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیات قابل عمل نمونہ تھیں۔ وہ لوگ جو شفقت، پیار، خلوص، وضع داری اور امانت و دیانت کے پیکر تھے، اب وہ بہت یاد آتے ہیں۔ عصر حاضر میں ایسی شخصیات کو ڈھونڈنا خاصا مشکل کام ہے۔

مصرع: اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، اپنی حسین یادیں پیچھے چھوڑ گئے۔ ان کو یاد کر کے تنہائی کا احساس شدت اختیار کر جاتا ہے۔ کسی عربی کے شاعر نے کہا ہے:۔

ذَھَبَ　　　الَّذِین　　　اُحِبُّھم

وَ　　بقِیتُ　مِثْلَ　السّیفِ　فَرْدَا

جن (لوگوں) سے میں محبت کرتا تھا، وہ چلے گئے، اور میں تلوار کی طرح تنہا اور اکیلا رہ گیا۔

قارئین محسوس کریں گے کہ ڈاکٹر انیس خورشید صاحب کا ذکر کرتے ہوئے میں ذاتی طور پر جذباتی ہوگیا ہوں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہم جیسے لوگ ماضی کو یاد کر کے ایسے ہی کھو جاتے ہیں۔ ان کا احساس یہی ہوتا ہے کہ روشن ستارے زیر زمین دفن ہوگئے۔

مصرع: زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

سید جلال الدین حیدر مرحوم کا ذکر بھی وہاب صاحب نے اپنے خط میں کیا ہے۔ حیدر صاحب سے میری دو ملاقاتیں ہوئیں۔ دونوں لاہور میں ہوئیں۔ بہت نفیس انسان تھے۔ احباب میں بیٹھتے تو ان کی گفتگو سے محفل زعفران ہو جاتی۔ اکرام الحق ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> پروفیسر ڈاکٹر سید جلال الدین حیدر پاکستان لائبریرین شپ کی ایک انتہائی قدآور شخصیت اور قیمتی سرمایہ ہے۔ ان کو استادوں کا استاد بھی کہا جاتا ہے۔ ۸ جولائی ۱۹۳۸ء کو جون پور (یو۔ پی) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۵ء میں الہ آباد بورڈ سے انٹر کیا اور ۱۹۵۶ء میں اپنے والد کے ساتھ پاکستان ہجرت کی۔ ۱۹۵۹ء میں اُردو کالج کراچی سے بی۔ اے کیا اور ۱۹۶۱ء میں کراچی یونیورسٹی سے لائبریری سائنس میں ڈپلوما

کیا۔ڈاکٹر عبدالمعید کے پسندیدہ شاگردوں میں شامل تھے۔ ڈپلوما کے فوراً بعد کراچی یونیورسٹی میں کیٹلاگر کی جاب مل گئی۔۱۹۶۴ء میں ریگرس یونیورسٹی امریکہ سے لائبریری سائنس میں ایم۔اے کیا۔ ۱۹۷۰ء میں شعبہ لائبریری سائنس کراچی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر تعینات ہوگئے۔۱۹۷۲ء۔۱۹۷۵ء ایران کی تبریز یونیورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر بھی رہے۔۱۹۹۳ء میں لوگ برو یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی، برطانیہ سے ۵۵ برس کی عمر میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔۱۹۹۸ء میں صدر شعبہ لائبریری سائنس کراچی یونیورسٹی کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔دو کتابوں اور اسی (۸۰) تحقیقاتی مضامین کے مصنف ہیں۔پاکستانی لائبریرین شپ کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہو۔عملی زندگی کے دس سال یونیورسٹی لائبریری میں خدمات کی بجا آوری اور باقی زندگی درس و تدریس میں گزار دی۔ڈاکٹر خالد محمود اور ڈاکٹر کنول امین کی پی ایچ۔ڈی میں سرپرستی کر کے پاکستان میں لائبریری انفارمیشن سائنس کے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کی زندگی محنت سے عبارت ہے۔آخری سالوں میں بھی لکھنے لکھانے اور کانفرنسوں میں بھرپور طریقے سے شمولیت کرتے رہے۔کینسر کے موذی مرض نے آناً فاناً ڈاکٹر صاحب کو ہم سے چھین لیا۔۱۷۔نومبر ۲۰۰۸ء کو وہ اس دنیائے فانی سے انتقال کر گئے۔۔۔

(Ikramul Haq, "Imperishable Reminiscences of Pakistan Librarinship," Included: Pakistan Library & Information Science Journal, vol. 41, No. 2 (June 2010) 7-8.(Urdu).

اس مضمون کا اُردو میں عنوان ہے: ''پاکستانی لائبریرین شپ کے لازوال نقوش''۔

☆☆☆

ضمیمے

ضمیمہ نمبر ۱

خاں صاحب (عبدالوہاب خاں سلیم) کے چار خطوط بنام مؤلف کے عکس

(۱)

Ph. Res: (719) 636-5130

نیو یارک

۸ جون ۹۱ء

بھائی سید جمیل احمد رضوی صاحب

السلام علیکم

مزاج گرامی

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ الحمدللہ کہ سب یہاں خیریت سے ہیں۔

دعوت نامہ: ہم دونوں میاں بیوی ۱۲ جون کو حج کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ نیک انسان ہیں۔ دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ حج کی مشقتیں آسان فرمائے، ہمارا حج قبول فرمائے۔ ہم بخیریت حاضری اور بخیریت یہاں واپس آئیں۔ ۳۰ جولائی کو نیو یارک واپس لوٹیں گے۔ انشاء اللہ! (حج ایک مشکل عبادت ہے)

آپ سے ایک گزارش ہے کہ مجھے اپنی ذاتی لائبریری کے لئے درج ذیل کتابوں کے اردو تراجم درکار ہیں۔ انشاء اللہ آپ اہل علم حضرات سے پوچھ کر کون سے تراجم بہتر ہیں، کس ناشر نے شائع کئے ہیں تاکہ میں خرید سکوں۔ (دعوت نامہ) میرا یہ خط وصول کر کے اس خط کا جواب ضرور دیجئے گا۔ آپ سے بار بار گزارش ہے کہ ان کاموں کو اہم سمجھئے گا۔ اور مجھے ان موضوعات پر تفصیل سے خط تحریر کیجئے گا۔ سب آپ کے حق میں دعا کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ!

۱۔ اخلاقِ ناصری
۲۔ اخلاقِ جلالی
۳۔ اخلاقِ محسنی
۴۔ گلستان (سعدی)
۵۔ بوستان (")
۶۔ مثنوی مولانا روم
۷۔ حکایات مثنوی مولانا روم
۸۔ رباعیات (سرمد)
۹۔ کلیلہ و دمنہ
۱۰۔ کیمیائے سعادت (امام غزالی)
۱۱۔ احیائے العلوم (امام غزالی)

دوبارہ گزارش ہے کہ اس خط کو مکمل کر کے پر اپنا نام کر دیجئے گا۔ اور مجھے تفصیل سے خط تحریر کیجئے گا۔

میرا اہلیہ کا بیٹے کو اور جابر صاحب کو اور سب بھائی بہن میں دونوں کا سلام مسعود سلطان صاحب کو سب پہنچا دیجئے گا۔ فقط

(۳)

ABDUL WAHAB KHAN SALIM

Res: Tel: (718) 238-5130
(718) 438-0270

1802-53 ST. Apt. E-7
BROOKLN NEW YORK, 11204
(U.S.A.)

Date: ۱۲ مارچ ۹۵ء

جناب سید حسین احمد انور صاحب

سلام شوق

مزاجِ گرامی

آپ بڑے بہت پرانے مہربان ہیں

براہِ کرم مجھ پر خصوصی توجہ فرمائیے تا

میرے برادرِ خورد پروفیسر عبدالحنان خاں جو

میرے بھتیجے عزیزی تاجی ناصر الدین صاحب

آپ پہلے آ چکے۔ مجھ سے ساڑھے

کی ٹکٹ کا یہاں دینا رہے۔

براہِ کرم اپنے بہترین وقت میں فرما

تیار کروا دیجئے گا، دعا دیں گے۔

حق تعالیٰ کی مہربانی سے ہم دونوں میاں بیوی

۳۰ اپریل کو حج بیت اللہ کے لئے جا رہے ہیں

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمارا یہ چھٹی حاضری ہوگی۔
رب کعبہ ہمارے تمام حاضریوں کو قبول فرمائے آمین۔
اور یہ حج ، حج مبرور ہو آمین

آپ کی مرحومہ صاحبزادی کے بلند درجات کے لیے ،
رب کعبہ کے حضور حرم شریف سے دعا کی گئی۔
اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت میں درجات بلند کرے آمین۔

خط کا جواب ضرور دیجئے گا۔ آپ کے خط کا
انتظار کروں گا

خورشید ، آپ کو اور بیگم صاحبہ کو
سلام کہہ رہی ہیں ، بچوں کو پیار
بیٹا کو سلام کہنا۔

فقط
محمود
[illegible]

ضمیمہ نمبر ۲

"گوشۂ عبدالوہاب خاں سلیم" کے متعلق تین خطوط اور ایک اقتباس کا عکس

(۱)

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH - 202 002, INDIA

(۴)

Shakeel Ahmad Khan
Actg. University Librarian

Office : 2700312
Univ. : 1217
Res. : 2503989
Fax No. : 0571-2700706
E-mail : [illegible]
[illegible]@rediffmail.com

حوالہ نمبر ۔۔۔۔ ۹۷

تاریخ : ۳ر مئی ۲۰۰۸ء

محترم المقام عبدالوہاب سلیم صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ڈاکٹر عطا خورشید صاحب سے آپ کی ناسازگی طبع کی اطلاع ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں آپ جیسی علم پرور و علم دوست شخصیت کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین! امید ہے اس خط کے موصول ہونے تک آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔

آپ کی عنایتوں سے ہم بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔ دو روز قبل ہی رفیع الدین ہاشمی صاحب کی تالیف "مکاتیب مشفق خواجہ" کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری کے لیے موصول ہوا۔ اس کرم فرمائی کے لیے شکریہ! نیز مقالات حافظ محمود شیرانی کی دو آخری جلدیں بھی، جو محترم مظہر محمود شیرانی صاحب ہوشربا ڈاک خرچ کے سبب خواہش رکھتے ہوئے بھی ہماری لائبریری کو نہ بھیج سکے، آپ کی مہربانیوں سے معراج جامی صاحب کے توسط سے ہمیں موصول ہو گئیں۔ آپ کی بدولت ہمارے ہاں مقالات حافظ محمود شیرانی کا سیٹ مکمل ہو گیا۔ ہم اور ہماری لائبریری کے قارئین اس کے لیے آپ کے احسانمند ہیں۔

ڈاکٹر عطا خورشید صاحب نے بتایا کہ "گوشۂ عبدالوہاب سلیم" کے سلسلے میں ہماری طرف سے کی گئی گذارش کا آپ نے تحریری جواب دیا ہے لیکن افسوس کہ ہم آپ کی تحریر سے اپنی آنکھوں کو روشن نہ کر سکے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ نے گوشہ قائم کرنے کی اجازت ضرور دی ہو گی۔ آپ دو سطروں میں ہمیں پھر ایک تحریری اجازت نامے سے نواز دیں۔ عنایت ہو گی۔

ہم ایک بار پھر آپ کی صحت یابی کی دعائیں کرتے ہیں۔

نیاز مند و احسانمند

(شکیل احمد خاں)

بشرف ملاحظہ:
محترم عبدالوہاب خاں سلیم صاحب
2245-61st. Booklyn,
New York - 11204,
U.S.A.

(۲)

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH - 202 002. INDIA

Prof. Shabahat Husain
Librarian-In-Charge

Office : 2700512
Univ. : 1217
Res. : 34006731
Fax No. : 0571-2700706

حوالہ نمبر........ [illegible]

تاریخ: ۱۹ جنوری ۲۰۰۹ء

مکرم و محترم عبدالوہاب سلیم صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

امید ہے مزاج اقدس بخیر ہوگا۔

آپ کی عنایتوں سے الحمد للہ "گوشہ عبدالوہاب سلیم" میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ رفیع الدین ہاشمی صاحب کی درج ذیل دس کتابیں اس گوشہ کے لیے موصول ہوئیں۔ حوالے کے لیے ان کتابوں کے اندراج نمبر بھی ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

۱) ارمغان شیرانی	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۲
۲) اقبال کی طویل نظمیں	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۳
۳) اقبال بحیثیت شاعر	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۴
۴) تحقیق اقبالیات کے مآخذ	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۵
۵) تفہیم و تجزیہ	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۶
۶) ۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۷
۷) اقبالیات: تفہیم و تجزیہ	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۸
۸) مکاتیب مشفق خواجہ	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۱۹
۹) مضامین فرحت اللہ بیگ	مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی	اندراج نمبر ۱۵۴۱۲۰
۱۰) محمد اقبال (بزبان ہندی)	مرتبہ ڈاکٹر خالد ندیم	اندراج نمبر ۳۵۱۹۲

سہ ماہی "الاقربا" (اسلام آباد) پابندی سے ہمیں موصول ہو رہا ہے۔ تین شمارے اب تک موصول ہو چکے ہیں۔ آخری شمارہ جو چند روز قبل وصول ہوا ہے وہ اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۸ء (جلد ۱۱ شمارہ ۴) کا شمارہ ہے۔

ہمیں مصدقہ ذرائع سے یہ اطلاع ملی ہے کہ پاکستان کی کسی یونیورسٹی میں (غالباً کراچی یونیورسٹی میں) لائبریری سائنس کی نصابی کتابیں اردو میں بھی دستیاب ہیں۔ اگر یہ تمام نصابی کتابیں ہماری لائبریری کو آپ کے توسط سے حاصل ہو جائیں تو "گوشہ عبدالوہاب سلیم" کے نوادرات میں شامل ہوں گی۔ امید ہے ہماری اس گزارش پر آپ ضرور توجہ فرمائیں گے۔

ڈاکٹر عطا خورشید صاحب آپ کو سلام پیش کرتے ہیں

نیاز مند و احسان مند

(پروفیسر شباہت حسین)

بخدمت ملاحظہ:

محترم جناب عبدالوہاب سلیم صاحب
2245- 61st Street, Brooklyn,
New York - 11204, USA.
U.S.A.

(۳)

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY, ALIGARH - 202002 (U.P.) INDIA

Prof. Shabahat Husain
D.Sc. (Hons), M.Sc., M.Lib.Sc. (Alig.) M.Phil (U.K.)
Librarian-In-Charge

حوالہ نمبر ۔۔۔499۔۔۔

تاریخ : ۱۷ / جنوری ۲۰۰۹ء

محترم ہاشمی صاحب! سلام مسنون

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

آپ کے توسط سے پانچ کتابوں کا ایک علمی تحفہ موصول ہوا۔ شکریہ! آپ کی ہدایت کے مطابق ان کتابوں کو اپنی لائبریری کے "گوشۂ عبدالوہاب خاں سلیم" میں رکھا گیا ہے۔ حوالے کے لیے ذیل میں ان کے اندراج نمبر بھی لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ خطبات رسولؐ — مرتبہ — رفیع الدین ہاشمی — اندراج نمبر ۱۵۴۱۲۸

۲۔ علامہ اقبال: شخصیت اور فن — مصنفہ — رفیع الدین ہاشمی — اندراج نمبر ۱۵۴۱۲۹

۳۔ یادنامہ سید اسعد گیلانی — مرتبہ — رفیع الدین ہاشمی — اندراج نمبر ۱۵۴۱۳۰

۴۔ تصانیف مودودی — مرتبہ — رفیع الدین ہاشمی — اندراج نمبر ۱۵۴۱۳۱

۵۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: سوانح و کتابیات — مرتبہ — عبدالعزیز ساحر — اندراج نمبر ۱۵۴۱۳۲

محولہ بالا کتابیں ہماری لائبریری کے لیے گراں قدر عطیہ ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری لائبریری کے قارئین ان تمام کتابوں سے بھرپور رہنمائی حاصل کریں گے۔

مولانا آزاد لائبریری کے لیے اقبال اکادمی (لاہور) کی مطبوعات کے حصول کی کوئی صورت نکالیں۔ آپ اگر اس ادارے کی میلنگ لسٹ میں ہماری لائبریری کا نام شامل کرادیں تو ہم آپ کے احسان مند ہوں گے۔

نیازمند

(پروفیسر شباہت حسین)

بشرف ملاحظہ:
محترم رفیع الدین ہاشمی صاحب
۲۸۔ ڈی۔ منصورہ، ملتان روڈ،
لاہور۔
پاکستان۔

کاپی برائے اطلاع: محترم عبدالوہاب خاں سلیم صاحب، 2245- 61st Street, Brooklyn, New York - 11204, USA.

(۴)

محمد سہیل شفیق (مرتب)، اشاریہ معارف اعظم گڑھ (جولائی ۱۹۱۶ء تا جون ۲۰۰۵ء)، اپنے ''پیش گفتار'' میں لکھتے ہیں:۔

الحمدللہ کئی لوگوں نے اشاریے کی تیاری کے دوران ہی اس سے استفادہ کیا۔ میں اسے معارف کی برکات سمجھتا ہوں کہ اس کام کے دوران بہت سے اہلِ علم حضرات سے علمی و قلمی رابطہ قائم ہوا۔ اب تک کراچی میں معارف کا پورے سال کا ریکارڈ کہیں موجود نہیں تھا۔ اب محترم جناب عبدالوہاب خان سلیم صاحب کے خصوصی تعاون سے ''گوشہ عبدالوہاب خان سلیم، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی'' میں جلد ہی معارف کا ریکارڈ مکمل ہو جائے گا (انشاء اللہ) اور تشنگانِ علم اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں گے۔ (صفحہ ۹)

ضمیمہ نمبر ۳

محمد عادل عثمانی مرحوم کا ایک مکتوب بنام سید جمیل احمد رضوی کا عکس

Tele: Off. 7467235
Res. 7494088

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

MUHAMMAD ADIL USMANI
M. A. L. S. (Rutgers) USA.
Librarian
Umm al-Qura University
Taif, Saudi Arabia.

محمد عادل عثمانی
امین المکتبة
جامعة ام القری۔ الطائف
تلفون : ٧٤٦٧٢٣٥

Date 16 / 3 / 1986

التاریخ / / ١٤ ھ

محترم سید جمیل احمد رضوی صاحب
السلام علیکم
مزاج گرامی۔

امید ہے آپ مع متعلقین بخیریت ہوں گے

قبل اس کے کہ خط لکھنے کا مقصد بیان کروں مختصراً اپنا تعارف کروا دوں۔ کتب خانہ جامعہ کراچی۔ اور شعبہ لائبریری سائنس میں مختلف حیثیتوں سے خدمات انجام دینے کے بعد جنوری ۱۹۸۳ء میں لائبریرین کی حیثیت سے ریٹائرمنٹ لیکر اس وقت سعودی عرب میں خدمات انجام دے رہا ہوں۔ لیکن اپنے وطن عزیز کی خدمات یہاں رہ کر کرنا بھی اپنا فرض عین سمجھتا ہوں۔ کچھ لکھنے پڑھنے سے بھی واسطہ رہا ہے اس لئے وہ سلسلہ پاکستان کے تعلق سے جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ پاکستان لائبریری بلیٹن کی ادارت کے فرائض بھی ابتک انجام دے رہا ہوں اور تمام احباب کے تعاون کی بناء پر یہ رسالہ ابھی تک زندہ ہے۔ اسی سلسلہ میں کبھی کبھی پاکستان کے مختلف اداروں سے رابطہ رکھنے کی سعی کرتا رہتا ہوں اور اس طرح احباب سے بھی رسم و راہ باقی ہے

گذشتہ دنوں دو خطوط الوارالحق صاحب کو بھیجے لیکن غالباً مصروفیت کی بناء پر جواب نہ دے سکے ہوں گے۔ چونکہ مجھے وہاں کی مصروفیات کا اندازہ ہے خصوصاً دو دو شعبوں کی سربراہی کا اس لئے کوئی شکایت نہیں۔ البتہ معلومات مجھے بہر صورت درکار ہیں۔

(بقیہ)

۱ــــ برادرم ڈاکٹر ممتاز انور صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی تو انہوں نے آپ کا تعارف کرا دیا اور یقین دلایا اور کہا کہ میں آپ سے رابطہ قائم کروں تو آپ ضرور جواب دیں گے اور مطلوبہ معلومات بھی فراہم کر سکیں گے۔ اس لئے آپ کو یہ بے جا زحمت دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔

آمدم برسر مطلب:

۱) مجھے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی تمام مطبوعات کی ایک مکمل فہرست پوری کتابیاتی تفصیلات کے ساتھ درکار ہے۔ اس میں شائع شدہ مخطوطات کے کیٹلاگ، کتابوں، رسائل، مقالات وغیرہ کی فہرستیں۔ اسی طرح اگر کوئی Accession List یا ببلیوگرافی شائع ہوتی ہو یا ہوئی ہو۔ مع تاریخ اجراء وغیرہ۔

۲) شعبۂ لائبریری سائنس کا سلیبس۔ اور شعبہ کی اگر کوئی مطبوعات ہوں تو ان کی بھی تفصیلی فہرست۔

۳۔ شعبہ میں جو تھیسس (Thesis) لکھے گئے ہوں ان کی بھی فہرست۔ یا اس وقت زیر تکمیل ہوں۔ (اگر ممکن ہو۔ زیادہ زحمت نہیں دینا چاہتا)

آپ کے جواب کا مجھے انتظار رہے گا۔ اور میں آپ کا انتہائی مشکور رہوں گا۔ زحمت کے لئے پیشگی معذرت۔

اگر آپ بھی مصروفیت یا کسی اور وجہ سے یہ کام نہ کر سکیں تو براہ کرم جواب لفافہ لف ہی میں [illegible] ضرور دیجئے۔ تاکہ میں کوئی دوسرا دروازہ کھٹکھٹانے کی سبیل کروں۔ انوار الحق صاحب اور دوسرے احباب و رفقاء کو میرا سلام فرما دیجئے۔ فقط والسلام

احقر و نیاز مند [illegible]

کتابیات

ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر۔ لالہ و گل۔ علی گڑھ: شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۹ء۔

ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر۔ مولانا حمیدالدین فراہی ــــ مفسر و محقق۔ علی گڑھ: قرآنک ریسرچ سنٹر، کبیر کالونی، ۲۰۰۸ء۔

ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر۔ نایاب ہیں ہم (مخلصین و مفکرین ادارۂ سرسید)۔ علی گڑھ: شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۱۰ء۔

ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر۔ نذر سلیم (عبدالوہاب خاں سلیم)۔ علی گڑھ: شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۱۲ء

ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر۔ نیرّ تاباں۔ علی گڑھ: شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۱۱ء۔

افتخار عالم خاں، پروفیسر۔ سرسید ہاؤس کے ماہ و سال (بعد از سید محمود)۔ علی گڑھ: مہر الٰہی ندیم (علیگ)، ۲۰۰۸ء۔

بلقیس بیگم۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، تاریخی جائزہ۔ لاہور، ۱۹۸۲ء (غیر مطبوعہ، مقالہ برائے امتحان ایم۔ اے۔ لائبریری سائنس، جامعہ پنجاب، لاہور)

جاوید اقبال (مرتب)۔ خطوط بنام جاوید اقبال۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء۔

جعفر زٹلی نارنولی، میر۔ زٹل نامہ [کلیات جعفر زٹلی]، مرتبہ رشید حسن خاں۔ نئی دہلی: مرتب، ۲۰۰۳ء۔

جمیل احمد رضوی، سید۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (یادداشتوں کے آئینے میں)۔ لاہور: دارالفیض گنج بخش، ۲۰۰۳ء۔

داؤد رہبر۔ سلام و پیام (مکاتیب)۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء (جلد سوم)

دوؤد عسکر۔ جوئے شیر۔ کراچی: رشید اینڈ سنز، ۱۹۷۹ء۔ ''حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کے اُردو کلام کا مکمل اشاریہ۔ مشتمل بہ بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغان حجاز'' (سرورق)۔

رئیس احمد صمدانی۔ یادوں کی مالا مختلف شخصیات کے بارے میں مصنف کے تاثرات، افکار اور انعکاسات۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۹ء۔

رشید حسن خاں۔ مکاتیبِ رشید حسن خاں بہ نام رفیع الدین ہاشمی، ترتیب وتہذیب ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد۔ لاہور: ادبیات، ۲۰۰۹ء۔

سعدی شیرازی۔ گلستان۔ دیوبند: مولوی محمد اسحاق صدیقی مالک کتب کانہ رحیمیہ (س۔ن)۔

سلیم اختر، ڈاکٹر۔ درشن جھروکے (خاکے)۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔

سلیم اختر، ڈاکٹر۔ نشان جگر سوختہ (آپ بیتی)۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔

سمیع اللہ خاں، مولوی۔ مسافران لندن مع تازہ اضافوں، مقدمہ، فرہنگ اور تعلقات۔ مرتبہ اصغر عباس۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۲ء۔

سید احمد خاں، سر۔ سرسید کا سفرنامہ، مسافرانِ لندن: مع تازہ اضافوں، مقدمہ، فرہنگ اور تعلقات۔ مرتبہ اصغر عباس۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۹ء۔

ظفر مراد آبادی، ڈاکٹر۔ آئینہ فن و شخصیت میں وقار مانوی۔ دہلی: سلیم صدیقی، ۲۰۱۰ء۔

عطار، فریدالدین۔ پندنامہ۔ لاہور: ملک دین محمد اینڈ سنز (س۔ن)

عطا خورشید، ڈاکٹر (و) مہر الٰہی ندیم (علیگ) (مرتبین)۔ مختار نامہ، پروفیسر مختار الدین احمد کے مقالات و تصانیف کا موضوعاتی و وضاحتی اشاریہ۔ علی گڑھ: ہیریٹیج پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔

علیؑ ابن ابی طالب۔ دیوان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لاہور: نگارشات، ۱۹۹۲ء۔

یہ دیوان سیدنا علی بن ابی طالب مترجم، مطبوعہ ۱۳۴۹ھ، مطبع مجتبائی، کانپور کی اشاعت ثانی (Reprint) ہے۔ اُردو ترجمہ از مولوی سعید احمد اعظم گڑھی اور مولانا سعید انصاری کا ہے۔

کبیر احمد جائسی، ڈاکٹر۔ ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں۔ کراچی: قرطاس، ۲۰۱۰ء۔ جلد سوم۔

قرآن۔ القرآن الکریم و ترجمۃ معانیہ و تفسیرہ الی اللغۃ الاردیّۃ، ترجمہ مولنا محمود الحسن (و) تفسیر مولنا شبیر احمد عثمانی۔ مدینہ منورہ: مجمع الملک فہد الطباعۃ المصحف الشریف، ۱۴۰۹ھ۔

محمد ابن حبیب بغدادی، ابوجعفر (م ۲۴۵ھ)۔ کتاب المحبر، ترجمہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، نظرثانی و تہذیب ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر۔ کراچی: قرطاس، ۲۰۱۱ء

محمد اکرام چغتائی۔ مطالعہ آزاد (مجموعہ مقالات)۔ لاہور: دی ٹروتھ سوسائٹی، ۲۰۱۰ء۔

محمد سہیل شفیق (مرتب)۔ اشاریہ معارف اعظم گڑھ (جولائی ۱۹۱۶ء تا جون ۲۰۰۵ء)، مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ۔ کراچی: قرطاس، ۲۰۰۶ء۔

محمد شہاب الدین، ڈاکٹر۔ اُردو میں حج کے سفرنامے۔ علی گڑھ: یونی ورسل بک ہاؤس، (س۔ن)۔

محمد صلاح الدین العمری، الدکتور۔ السیّر سیّد احمد خان، حیاتہ وافکارہ۔ علی کرہ: مصنف، ۲۰۱۱ء۔

محمد عامر الصمدانی، ڈاکٹر۔ کاملان تھانیسر (تھانیسر کے شعراء، ادباء، مشائخ، مجاہدین آزادی اور علماء کا مستند تذکرہ و تاریخ)۔ علی گڑھ؛ مرکز ادب و تحقیقِ اسلامی، ۲۰۰۳ء۔

مختار الدین احمد، ڈاکٹر۔ مکتوبات ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ) بنام پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (ایڈیٹر جہان رضا، لاہور)، مرتبہ محمد عالم مختار حق۔ لاہور: مکتبہ نبویہ، ۲۰۱۱ء۔

مسکن علی حجازی، ڈاکٹر۔ ڈالر کے دیس میں، سفرنامہ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔

مشفق خواجہ۔ مکاتیب مشفق خواجہ بنام رفیع الدین ہاشمی (مرتب)۔ لاہور: ادارہ مطبوعات سلیمانی، ۲۰۰۸ء۔

مشفق خواجہ۔ مکتوبات مشفق خواجہ بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد، مرتبہ ڈاکٹر سید حسن عباس۔ لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈیمی، ۲۰۱۰ء (؟)۔

مشیر احمد، ڈاکٹر۔ خطوطِ غالب کے ادبی محاسن۔ گورکھپور: مصنف، ۲۰۱۱ء۔

نگار سجاد ظہیر۔ دشت امکان (سفرنامہ نجد و حجاز)۔ کراچی: قرطاس، ۱۹۹۶ء۔

وقار مانوی۔ وقارِ غزل (پانچواں شعری مجموعہ)۔ نئی دہلی: ایم۔ آر۔ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

ہما منان بٹ۔ پروفیسر ڈاکٹر نسیم فاطمہ: شخصیت اور کام۔ کراچی: لائبریری پروموشن بیورو، ۲۰۱۰ء۔

یار محمد ابن تاج محمد۔ منتخب المناقب (اُردو ترجمہ)، مترجمہ اللہ بخش رضا۔ ملتان: ملک محمد رفیق سنانواں، (س۔ن)

Pakistan Library & Information Science Journal, Karachi. Vol. 40, No. 4 (December 2009); Vol. 41, No. 2 (June 2010)

Ghaniul Akram Sabzwari, Dr.Whos' Who in Library and Information Science in Pakistan.Karcahi:Library Promotion Burea, 1987.

Ghaniul Akram Sabzwari & Abdul Sama Ansari. Whos' who in Library and Information Science in Pakistan. Karcahi: Library Promotion Burea, 2011.

اشاریہ اشخاص

☆: یہ کتاب عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کے بارے میں ہے۔ چونکہ ان کا نام کثرت کے ساتھ اس میں استعمال ہوا ہے، اس لیے اس اشاریہ میں ان کا نام شامل نہیں کیا۔ اسی طرح اس کتاب میں راقم السطور (سید جمیل احمد رضوی) کا نام بھی کثرت کے ساتھ آیا ہے، اس لیے اس نام کو بھی اشاریہ میں شامل نہیں کیا ہے۔

☆: خورشید سلیم، وہاب صاحب کی اہلیہ کا نام ہے۔

☆: وہاب صاحب نے اپنے متعدد خطوط میں اپنی اور اپنی اہلیہ کی جانب سے 'بھابھی' کو سلام لکھا ہے۔ اس سے مراد راقم السطور کی اہلیہ (طیبہ رضوی) ہے۔

ا

غ

ف

ک

گ

ل

م

ن

و

ھ

ی

☆☆☆

اشاریہ کتب
(بشمول رسائل)

ا

ب

پ

ر

ز

س

ش

ض

ع

ف

☆☆☆

دائیں سے: جمال سلیمان (داماد)، رفعت سلیم (بیٹی)، ثروت سلیم (بیٹی)، رابعہ (بہو)، شکیل سلیم (بیٹا)، عطاء الرحمٰن (داماد)، نزہت سلیم (بیٹی)، جاوید اختر (داماد)، نوشابہ اختر (بیٹی)

بیٹھے ہوئے: عبدالوہاب خاں سلیم، بیگم خورشید سلیم

بچوں کے بچے:

دائیں سے: بیگم خورشید سلیم، تعبیر اختر، یوسف سلیمان، کائنات اختر، عبدالوہاب خاں سلیم، سیف الرحمٰن، اسد الرحمٰن، عائشہ رحمٰن، زہرہ سلیمان

مشاہیر کی آراء

☆ یہ عبدالوہاب خاں صاحب انسان نہیں، فرشتہ معلوم ہوتے ہیں۔اتنی دور بیٹھ کر اتنا خیال رکھنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔اور یہ سلوک دو چار افراد کے ساتھ نہیں، بے شمار لوگوں کے ساتھ ہے (مشفق خواجہ)

☆ عبدالوہاب خاں کچھ عرصہ پنجاب یونیورسٹی (لائبریری) میں بطور لائبریرین کام کرتے رہے۔ کتابیں جمع کرنا اور ان کو حفاظت سے رکھنا ان کی عادت ثانیہ بن گئی ہے۔پاکستان سے آنے والے تمام دوستوں سے ایک ہی فرمائش کرتے ہیں کہ کتابیں لیتے آنا (ڈاکٹر مسکین علی حجازی)

☆ عبدالوہاب خاں سلیم۔۔۔۱۹۷۳ء سے تا حال امریکا میں مقیم ہیں۔اُردو دنیا کے حوالے سے ان کے حلقہ احباب میں راقم جیسے گوشہ نشین شخص سے لے کر بھارت اور پاکستان کے کئی نامور ادیب اور شاعر شامل ہیں۔کتابوں کے نہایت شائق۔بیسیوں علمی و ادبی کتابوں کی اشاعت میں ان کی مالی اعانت شامل رہی ہے۔وہ احباب کو اپنی پسند کی کتابوں کے تحفے بھجوانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔بھارت اور پاکستان سے اپنی پسند کی کتابیں برابر خرید خرید کر منگاتے رہتے ہیں۔آپ بیتی اور سفرناموں (بطور خاص حج وعمرہ کے سفرناموں) کا ایسا بڑا ذخیرہ، بلا مبالغہ دنیا میں کہیں نہیں ہوگا (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)